زخمِ ہُنر
جمیل ملک

زخمِ ہُنر

غزلیں

جمیل ملک

۱۹۷۹ء تا ۱۹۹۹ء

نوید پبلشرز، این ر ۲۲۲، پراچہ سٹریٹ، سرکلر روڈ راولپنڈی
فون نمبر ۵۵۹۶۲۰

سرورق:	بشیر موجد
کمپوزنگ:	اختر شیخ
اشاعت(طبع اول):	دسمبر ۱۹۹۹ء
طباعت:	فیض الاسلام پرنٹنگ پریس راولپنڈی
قیمت:	۲۰۰ روپے

انتساب

محبتوں، صداقتوں اور عظمتوں کے نام

○

آہن کو بھی گداز کرے دستِ کارگر
محنت کی روشنی سے محبت سمیٹ لوں
شہرت کے لاکھ رنگ ہیں عظمت کا ایک رنگ
روحِ روانِ وقت سے عظمت سمیٹ لوں
یوں ہی ملے گی حسنِ حقیقت کی روشنی
پہلے جمیلؔ حسنِ صداقت سمیٹ لوں

○

○

لوگ جمیلؔ نہ دیکھیں ہم تو دیکھ رہے ہیں
ہم کو تیرا زخمِ ہُنر اچھا لگتا ہے

○

○

آئینہ تو جلال کا، تیرا ہنر کمال کا
تو ہی تو تاجدار ہے، سلطنتِ جمال کا
میری نگاہ و فکر نے کتنے سوال اٹھائے ہیں
تجھ میں جواب مل گیا میرے ہر اک سوال کا
تیرے زمین و آسماں، تیرے زمان و لامکاں
کون حساب کر سکے، گردشِ ماہ و سال کا
یوں تو ہیں کتنے زاویے خواب کے اور خیال کے
تجھ سے ہی جا ملا سِرا خواب کا اور خیال کا
مہر و مہ و نجوم اُدھر، بحر، چمن، دمن، اِدھر
تیرے سوا کسے شعور، عالمِ بے مثال کا
مٹ گئے سارے فاصلے، ہست کے اور بود کے
تو ہے وہ حرفِ جاوداں نقطۂ اتصال کا
روح سے روح تک تمام، ختم تھے ہجر کے مقام
بھولا نہیں ہوں آج تک اپنا سفر وصال کا
کٹ گئے میرے روگ سب ایک ترے علاج سے
نسخۂ کیمیا ملا، تجھ سے وہ اندمال کا
کتنے حساب طے ہوئے یوں تو جمیلؔ ہر نفس
کب میں چکا سکا مگر قرض وہ بال بال کا

○

○

اپنی پیار نشانی دے
کوئی خوشی انجانی دے
جس پر دانائی قرباں
ایسی اک نادانی دے
کب تک جلتی دوپہریں
کوئی شام سہانی دے
جو تجھ کو پہچان سکے
دل کو وہ حیرانی دے
ذرے کو سورج سے ملا
شبنم کو طغیانی دے
جو مشکل سے حاصل ہو
ہم کو وہ آسانی دے
اُن کے دل دروازے کھول
جن کو تو سلطانی دے
سوکھ گئے دھرتی کے لب
داتا ہم کو پانی دے
روٹھ گئے سب حرف جمیلؔ
لفظ کو آج معانی دے

○

○

خوشبو کا یہ منہ بند دریچہ ہی بہت ہے
یہ زلف، یہ زنجیر کا حلقہ ہی بہت ہے
ہر وقت مہکتی ہے چبھن یاد کی صورت
راس آئے تو یہ خارِ شگفتہ ہی بہت ہے
کیا جانئے تو کل کی طرح آئے نہ آئے
اڑتا ہوا یہ پیار کا لمحہ ہی بہت ہے
چل دیں تو سمندر ہے یہی وقت کا جھرنا
ٹھہریں تو ترا پیار جھروکا ہی بہت ہے
یہ رات کا گھاؤ مجھے سونے نہیں دیتا
رہنے کو تو یہ خواب جزیرہ ہی بہت ہے
کیا شہرِ نمائش میں مکاں اپنا بنائیں
جو ذہن میں ہے گھر کا وہ نقشہ ہی بہت ہے
اس دورِ پر آشوب میں جینا ہے بڑی بات
بجتی ہوئی سانسوں کا یہ رشتہ ہی بہت ہے
بے صرفہ گزر جائے تو ہے عمر بھی تھوڑی
کچھ کرکے دکھانا ہو تو وقفہ ہی بہت ہے
معنی سے ہم آہنگ رہا رنگ غزل کا
فن کا یہ سلیقہ یہ قرینہ ہی بہت ہے

○

○

پھر چمن میں ہوئی افزائشِ گل
جس طرف دیکھیے آرائشِ گل

کتنے خوابوں کو جنم دیتی ہے!
صبح کی گود میں پیدائشِ گل

ایسے آتی ہے ترے جسم کی آنچ
جیسے ہلکی سی یہ گرمائشِ گل

کسمساتی ہوئی پھرتی ہے صبا
ہوئی کس بات پہ فہمائشِ گل!

کون قیمت میں ہے بہتر، نہ کھلا
تری زیبائی کہ زیبائشِ گل!

گل کا پھیلاؤ ہے خوشبو کی طرح
سخت مشکل ہے یہ پیمائشِ گل

تھا وہی زخمِ تمنا دل کا
ہم سمجھتے رہے آلائشِ گل

لوگ آدابِ چمن بھول گئے
جب میسر ہوئی آسائشِ گل

کہہ دی پھولوں کی غزل میں نے جمیلؔ
زیرِ لب تھی ابھی فرمائشِ گل

○

○

تاریک تھی شب' چاند کرن دیر سے پہنچی
بیٹھا رہا میں اور دلہن دیر سے پہنچی
تا صبح رہا اپنے شبستاں میں چراغاں
لیکن تری خوشبوئے بدن دیر سے پہنچی
بارات ستاروں کی لُٹی' چاند بھی ڈوبا
خورشید بکف' صبحِ چمن دیر سے پہنچی
آئی ہے صبا دھوم مچاتی ہوئی لیکن
لے کر ترا بے ساختہ پن دیر سے پہنچی
یاروں نے بہت آتے ہوئے وقت کو روکا
جو شام تھی موضوعِ سخن دیر سے پہنچی
فرہاد کو شیریں نے پکارا تو بہت تھا
آواز سرِ کوہ و دمن دیر سے پہنچی
جو بیت گئی' بیت گئی اہلِ وطن پر
غربت میں مگر یادِ وطن دیر سے پہنچی
کانٹے کی دکھن کا کبھی احساس نہ ہو گا
سینے میں اگر اس کی چبھن دیر سے پہنچی
اس خالقِ مطلق کا میں فنکارِ ازل ہوں
دنیا میں مری عظمتِ فن دیر سے پہنچی

○

○

ملے زباں تو ہر دل کا مدعا لکھئے
قلم ہی ہاتھ سے چھن جائے جب تو کیا لکھئے!
کہاں وہ شوق کہ ہر بات برملا لکھئے
کہاں یہ حال کہ ہر حرف بے صدا لکھئے
نصیبِ دل ہے سبھی کچھ بس ایک تو ہی نہیں
ہر ایک حرفِ تمنا ترے سوا لکھئے
کہاں وہ زعمِ خدائی' کہاں یہ تنہائی!
جو کل رسا تھا اسے آج نارسا لکھئے
ہوا چلی ہے کچھ ایسی جھلس گئے دل بھی
انہیں یہ ضد کہ اسے شوخیٔ صبا لکھئے
یہ سنگ میل بھی کہتے ہیں اب تو راہوں سے
جو راہزن تھے انہیں خضر و رہنما لکھئے
صلہ ملا بھی تو کیا بے ریا عبادت کا
یہی کہ آج سے پتھر کو بھی خدا لکھئے
امیرِ شہر تو سب معجزے دکھا بھی چکا
غریبِ شہر کو اب شہر آشنا لکھئے
کھڑا ہے دھوپ میں تنہا درخت برگد کا
جمیلؔ کیوں نہ اسے سایۂ ہما لکھئے

○

○

سحر کی لو ہوں مرا نام ہی صباحت ہے
چمن میں پھول کھلانا تو میری فطرت ہے
کسی کسی کے مقدر میں یہ سعادت ہے
تجھے تو دیکھتے رہنا بھی اک عبادت ہے
جہاں میں یوں تو ہر اک شے کی ایک قیمت ہے
مگر یہ پھول سا دل جو تمام نکہت ہے!
ترے ہی نور سے صیقل ہے آئینہ دل کا
مرے ہی سوز سے ذرے میں بھی حرارت ہے
گلہ نہیں ہے اگر ہم پہ التفات نہیں
یہ بے رخی تو ترے پیار کی علامت ہے
بجا کہ اپنی وفاؤں کے رنگ جھوٹے ہیں!
جو بات تو نے کہی ہے وہی صداقت ہے!
جو لوگ صرف غمِ یار کے پجاری ہیں
انہیں کہو کہ غمِ دہر بھی حقیقت ہے
رہے گا کون سلامت دیارِ وحشت میں
ہر ایک ہاتھ میں سنگِ رہِ ملامت ہے
اِسے بھی لُوٹنا چاہو تو لُوٹ سکتے ہو
ہمارے پاس یہی جذبۂ محبت ہے

ہر ایک سانس میں جیتے ہیں اور مرتے ہیں
یہ زندگی ہے کہ دیباچۂ قیامت ہے
کھٹکتا رہتا ہے دل میں ضمیر کا کانٹا
فصیلِ جسم کے اندر بھی اک عدالت ہے
کوئی بھی دورِ ستم ہو اسے زوال نہیں
دکھی دلوں کی رفاقت بھی کیا رفاقت ہے
وہ زندگی جو کسی بے نوا کے کام آئے
مرے خیال میں سب سے بڑی عبادت ہے
کہیں کہیں سے سنائی مگر نہ ختم ہوئی
بڑی طویل مری مختصر حکایت ہے
ذرا سی عمر ہے اور فاصلہ ہے صدیوں کا
نظر کے سامنے کتنی بڑی مسافت ہے
سنا سنا کے جگاتے رہے زمانے کو
جمیلؔ وقت کے سینے میں جو بشارت ہے

O

O

جو منہ سے کچھ بھی نہیں کہتے خاموش محبت کرتے ہیں
محبوب کی خاطر جیتے ہیں محبوب کی خاطر مرتے ہیں

O

○

دنیا تنی ہوئی رسی ہے، بیل نہیں ہے
تنی ہوئی رسی پر چلنا کھیل نہیں ہے

چوک کی بتی جلتے ہی کیوں بجھ جاتی ہے!
شاید اس کی شریانوں میں تیل نہیں ہے

ایسا دل کیسے سمتوں کا درد سمیٹے!
جس دل میں سارے رستوں کا میل نہیں ہے

شہر کے دل میں پیچ و تاب کہاں چاہت کا!
جو بڑھ کر خود لپٹے یہ وہ بیل نہیں ہے

وہ رستہ کیا ہم کو منزل تک پہنچائے!
جس رستے پر تیرا میرا میل نہیں ہے

آزادی انسان کا سب سے پہلا حق ہے
دنیا ہرا بھرا گلشن ہے جیل نہیں ہے

○

○

جب جلا کرتے تھے داغوں سے چراغ
اب جلاتے ہیں دماغوں سے چراغ

ہوتے جاتے ہیں تہی جام و سبو
بنتے جاتے ہیں ایاغوں سے چراغ

پھیلتی جاتی ہے ہر سو روشنی
جلتے جاتے ہیں چراغوں سے چراغ

ایک اک زنداں میں روشن ہیں گلاب
ہم اٹھا لائے ہیں باغوں سے چراغ

کتنی تہذیبیں کھنڈر بنتی گئیں!
جل اٹھے کتنے سراغوں سے چراغ!

موم ہو کر سنگ بھی پگھلیں جمیلؔ
یوں جلائیں ہم چراغوں سے چراغ

○

○

جتنے عقل کے کچے لوگ
اُتنے دل کے سچے لوگ

کافر دل کافر ہی رہے
گو ہو آئے مکے لوگ

سچ کو بھی سچ کون کہے!
جھوٹے ہیں سب سچے لوگ

قفل لبوں کے کھولے کون!
دیکھیں بکے بکے لوگ

تختۂ دار پہ جھول گئے
کیسے کیسے سچے لوگ!

ہار نہ مانیں مر کر بھی
اپنی دُھن کے پکے لوگ

کَل مُجگ ہے سو باقی ہے
چھوڑ گئے سب سچے لوگ

○

○

زباں پہ بات کے پہرے بٹھا دیئے کس نے!
بچاؤ کے یہ سبھاؤ سکھا دیئے کس نے!
مرے ہی ہاتھ سے تلوار چھین کر میری
مرے ہی خون کے دریا بہا دیئے کس نے!
خود اپنی ذات کی پہچان بھی ہوئی مشکل
منافقت کے یہ پردے گرا دیئے کس نے!
جنہیں خبر ہی نہیں محبتِ چمن کیا ہے!
قدم قدم پہ وہ کانٹے اگا دیئے کس نے!
اسی ہوس میں کہ روشن رہیں محل کے چراغ
چراغ سارے گھروں کے بجھا دیئے کس نے!
یہ ٹوٹے پھوٹے کھلونے شکستہ لمحوں کے
ہر ایک طاق پہ لا کر سجا دیئے کس نے!
جو کہہ رہے تھے تسلسل کی داستانِ جمیلؔ
وہ سب نقوشِ کفِ پا مٹا دیئے کس نے!

○

○

زد میں ہے جو جو بھی یہاں سلطان چُھپا ہے
خون کی حدت میں ایسا رتھ بان چُھپا ہے
ساری کہنے سننے کی باتیں ہیں ورنہ
سب داناؤں کے اندر نادان چُھپا ہے
جتنا بڑھتا جاؤں اتنا گھٹتا جاؤں
جسم کے پیڑ میں غارت کا سامان چُھپا ہے
گھر میں رہ کر اس نے میرا حال نہ پوچھا
دل کی دھڑکن میں کیسا مہمان چُھپا ہے!
دیا جلا ہے اس سے کتنے پروانوں کا!
دل دل میں جو خواہش کا طوفان چُھپا ہے
کتنی پرتیں اک اک کرکے کُھلتی جائیں!
کیسے کیسے پردوں میں انسان چُھپا ہے!
آج جو سورج ڈوب گیا ہے پھر ابھرے گا
آج کے پہلو میں کل کا امکان چُھپا ہے
ایک ہی دل ہے یوں تو اپنے سینے میں بھی
لیکن اس میں کس کس کا ارمان چُھپا ہے!
اپنے ہونے ہی سے ہے تکمیل بھی اپنی
مرے قلم میں صدیوں کا پیمان چُھپا ہے

○

○

جو ماہتاب گہن میں ہیں، ڈھل بھی سکتے ہیں
افق افق نئے سورج نکل بھی سکتے ہیں
جو تہہ نشیں ہیں انہیں اتنا تہہ نشیں نہ سمجھ
سمندروں میں یہ طوفان پل بھی سکتے ہیں
جو خون چیختا پھرتا ہے شاہراہوں پر
وہ قاتلوں ہی کے چہرے پہ مل بھی سکتے ہیں
تھکے تھکے ہیں مگر گم نہیں ہوئے ہیں ابھی
سنبھل بھی سکتے ہیں ہم لوگ، چل بھی سکتے ہیں
یقیں نہ ہو تو کناروں پہ بندھ باندھ کے دیکھ
یہ قلزموں کے شناور اچھل بھی سکتے ہیں
اگر ہوا کو بھی تسخیر کر لیا جائے
چلن ہوا کا سفینے بدل بھی سکتے ہیں
شعورِ دل سے نگاہیں اگر فروزاں ہوں
جو شب چراغ بجھے ہیں وہ جل بھی سکتے ہیں
یہ سخت جاں مگر اتنی بھی سنگلاخ نہیں
اسی زمین سے چشمے ابل بھی سکتے ہیں
اگر زمین پہ ہو بارشِ خلوص جمیلؔ
یہ ٹوٹے پھوٹے شجر پھول پھل بھی سکتے ہیں

○

○

آ آ کر بادل جاتے ہیں
خواب زمیں کے جل جاتے ہیں

کیسے کیسے چاند اور سورج
ابھر ابھر کر ڈھل جاتے ہیں!

کیسے کیسے ہنس مکھ چہرے
وقت کی آگ میں جل جاتے ہیں!

جتنا وقت گزر جاتا ہے
اتنا لوگ بدل جاتے ہیں

تیری یاد میں چلتے چلتے
کتنی دور نکل جاتے ہیں!

تجھ کو دیکھیں تو آنکھوں میں
کیا کیا خواب مچل جاتے ہیں!

تو جب اپنے ساتھ چلے تو
سارے خار نکل جاتے ہیں

رنگ میں وہ آہنگ چھپا ہے
جس سے سنگ پگھل جاتے ہیں

موج تھپیڑے کھا کھا کر بھی
سیپ میں موتی پل جاتے ہیں

منزل کھوئی کر نہیں سکتے
گرتے اور سنبھل جاتے ہیں

روشنیوں کے ہم متوالے
روشنیوں میں ڈھل جاتے ہیں
O

○

وہ اک ایسا شخص تھا جس کے سینے میں ہم سب کا دل تھا
وہ خود ہی آئینِ وفا تھا' آپ ہی وہ اپنا قاتل تھا
ہم رستے میں بیٹھ گئے ہیں وہ منزل پر جا پہنچا ہے
اب ہم کو معلوم ہوا ہے ہم رستہ تھے وہ منزل تھا
تُند سمندر سے بھی بڑھ کر جس کے سینے میں ہلچل تھی
وہ کیسا تیراک تھا یارو کس کس کے دکھ کا ساحل تھا!
یوں تو اس کی راہ میں ظالم زنداں کی دیوار کھڑی تھی
قریہ قریہ' گلشن گلشن وہ سب کے غم میں شامل تھا
ہر دل کا وہ ورد ہو جیسے ہر گھر کا وہ فرد ہو جیسے
گلیاں اس کی فکر سے روشن' ذکر اس کا محفل محفل تھا
ہاتھوں میں فتراک تھے سب کے اس کے خالی ہاتھ بندھے تھے
گھائل ہو کر بھی نہیں تڑپا جانے وہ کیسا بسمل تھا!
جان کی بازی ہار گیا ہے لیکن منزل مار گیا ہے
اُتنا ہی آسان ہوا ہے جتنا کام بہت مشکل تھا
تاج محل تعمیر بھی کر لیں تو بھی واپس کب آئے گا
جو اپنی تخلیق کا جوہر جو اپنے فن کا حاصل تھا
ہم نے اس سے پیار کیا ہے سب کچھ اس پر وار دیا ہے
کیوں اس سے ہم پیار نہ کرتے وہ تو پیار ہی کے قابل تھا

○

○

ملول و زرد رخِ التماس ہے کتنا!
جہاں شناس بھی اب ناشناس ہے کتنا!
خوشی تو راس نہ آئی ترے بغیر ہمیں
یہ دیکھنا ہے کہ غم ہم کو راس ہے کتنا!
کسی کے پاس بھی غم کا کوئی علاج نہیں
تمہارے پاس بھی یہ دل اداس ہے کتنا!
کسے خبر کہ اسی کا ہے خار خار بدن
وہی جو گل کی طرح خوش لباس ہے کتنا!
اٹھا حجاب تو پھر کوئی فاصلہ نہ رہا
جو دور دور تھا وہ پاس پاس ہے کتنا!
کسی شجر پہ نہ پتے نہ پھل نہ پھول کوئی
تمام شہرِ ستم بے لباس ہے کتنا!
چھپے ہوئے ہیں پرندے بھی آشیانوں میں
تمام شہر میں خوف و ہراس ہے کتنا!
کسی کے پاس کلیدِ درِ حیات نہیں
اگرچہ شورِ سخن آس پاس ہے کتنا!
جمیلؔ اپنے سوا وہ سبھی کو بھول گیا
بلند اگر ہے تو کیا بے اساس ہے کتنا!

○

○

یہ چنچل شوخ نٹ کھٹ کیسے کیسے روپ دھارے گی
میں آؤں گا جہاں بھی زندگی مجھ کو پکارے گی
حسیں سرما کا سورج اپنا رستہ بھول جائے گا
سنہری دھوپ میں جب بال وہ اپنے سنوارے گی
تمنا توڑ لائے گی کبھی تارے تری ذہن میں
کبھی دل کے افق پہ چاند سے پیکر ابھارے گی
تری چاہت کی خاطر جو اٹھا رکھا ہے صدیوں سے
ترے قدموں میں آ کر زندگی وہ بوجھ اتارے گی
مجھے معلوم ہے پیارے محبت روبرو تیرے
ہزاروں بار جیتی ہے مگر اس بار ہارے گی
محبت ایک ہے اور ان گنت ہیں چاہنے والے
کسے ٹھکرائے گی اور کس پہ اپنی جان وارے گی!
انہی سڑکوں پہ سرگرداں رہے گی دل کی بیتابی
جہاں دن کٹ گیا اس کا وہاں شب بھی گزارے گی
سحر تو پھر بھی آئے گی نہ ہوں گے ہم اگر تو کیا!
سیاہ شب کہاں تک دوستو شب خون مارے گی!
جمیلؔ اچھے رہے مر کر ملی پائندگی جن کو
ہمیں معلوم کیا تھا زندگی بے موت مارے گی!

○

○

دل شکستوں کو حوصلہ دینا
دیکھنا اور مسکرا دینا

تیری آنکھوں سے ہم نے سیکھا ہے
ان کہی کو کہی بنا دینا

کس سے سیکھی ہے یہ ادا تو نے
بات بے بات مسکرا دینا

پاس جب کوئی معجزہ نہ رہے
تم کوئی شعبدہ دکھا دینا

یوں بھی ہوتی ہے پرسشِ احوال
بات میں زہر سا ملا دینا

پیار کی ہر جزا بھلا بیٹھیں
تم نہ ایسی کوئی سزا دینا

دوستوں سے فریب کھائے ہیں
دوستوں کو فریب کیا دینا

گر یہ چاہو کہ سربلند رہو
گرنے والوں کو آسرا دینا

جس کو احساسِ غم نہیں ہے جمیلؔ
اس کا تھوڑا سا دل دکھا دینا

○

○

رخ ایام کا موڑ رہا ہوں
ٹوٹی ڈور کو جوڑ رہا ہوں

شیشے جیسا دل ہے اپنا
پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں

تو نے تو مجھ کو چھوڑا ہے
میں یہ شہر ہی چھوڑ رہا ہوں

ایسا کون ہے جس کی خاطر
سارے رشتے توڑ رہا ہوں!

خلقت خواب سے کب جاگے گی!
کب سے میں جھنجھوڑ رہا ہوں!

○

○

یہ سلسلۂ خواب کہیں ٹوٹ نہ جائے
اس ہاتھ سے وہ ہاتھ کہیں چھوٹ نہ جائے

دزدیدہ نگاہوں سے جو کل دیکھ رہا تھا
بن کر مرا مہمان مجھے لوٹ نہ جائے

دل سے بھی کھلونے کی طرح کھیل رہے ہو!
ہاتھوں سے یہ آئینہ کہیں چھوٹ نہ جائے!

چھیڑو نہ شبِ وصل حکایت شبِ غم کی
یہ آبلۂ دل ہے کہیں پھوٹ نہ جائے

سچ بول کے ہر بار میں مصلوب ہوا ہوں
دنیا ترے سینے سے مگر جھوٹ نہ جائے!

○

○

وہ ادھورا سا جو پیماں تھا وہ پیماں بھی گیا
رو رہے ہیں غمِ جاں کو غمِ جاناں بھی گیا
دل کھلونے سے جو کھیلو تو بہل جاتا ہے
یوں گیا وہ کہ یہ اپنا دلِ ناداں بھی گیا
خواب سچے ہوں تو تعبیر بھی مل جاتی ہے
لے کے وہ ساتھ مگر خوابِ گریزاں بھی گیا
دل کے صحرا میں کوئی لالۂ صحرا بھی تو تھا
نہ رہا لالۂ صحرا، دلِ ویراں بھی گیا
اب کہانی میں کہانی سی کوئی بات نہیں
پہلے کردار گئے اور اب عنواں بھی گیا
موت نے چھین لیا دشتِ جدائی میں تجھے
وہ جو اک دید کا امکاں تھا وہ امکاں بھی گیا
کس سے اب محفلِ خوباں کو سجائیں کہ جمیلؔ
ساز بھی ٹوٹ گیا اور وہ ساماں بھی گیا

○

O

سرگرمِ سفر ہوں میں، ہر وقت تر و تازہ
تم مجھ پہ کھلا رکھنا آفاق کا دروازہ

اک سلسلۂ کُل میں ہر جزو سمایا ہے
کس درجہ منظم ہے بکھرا ہوا شیرازہ!

آنکھوں میں مری جھانکو ہو جائے گا پھر تم کو
اس وسعتِ عالم کی گہرائی کا اندازہ

تم کو یہ بلندی بھی پستی نظر آئے گی
اک بار اگر سن لو خلقت کا بھی آوازہ

شاہوں کی عدالت کا معیار صداقت کیا!
تقصیر کرے کوئی، مُبھگتے کوئی خمیازہ!

پروردہ اندھیروں کا، رہتا ہوں اجالوں میں
مہتابِ ہنر زندہ، خورشیدِ نظر تازہ

تب دن کے اجالے میں پہچان تری ہو گی
جب رات کے چہرے سے اڑ جائے گا یہ غازہ

O

○

لذت ترے لبوں کی سخن میں رچی رہے
آہنگ و رنگ سے مری دنیا بسی رہے
روشن رہے جبیں پہ یہ جھومر گلاب سا
یہ کائناتِ حسن سجی کی سجی رہے
سیندور کی لکیر میں روشن ہو کہکشاں
بالوں کی رات رات میں افشاں چنی رہے
جوڑا سہاگ شب کا مہکتا رہے سدا
سہرے کی بیل بیل یونہی جھومتی رہے
چہرے پہ پھوٹتا ہو سویرا شباب کا
سینے کی دھڑکنوں میں قیامت رچی رہے
ہر صبح آفتاب کی کرنوں کا رقص ہو
ہر رات ماہتاب کی چادر تنی رہے
تو میری ہم رکاب ہو میں تیرا ہم سفر
ایسے جئیں کہ ہم پہ فدا زندگی رہے

○

○

پیار کی میٹھی باتوں سے بھی آخر جی بھر جاتا ہے
جب کوئی جذبہ مر جائے تو دل بھی مر جاتا ہے
ہم روئیں تو سات سمندر اُمڈ اُمڈ آ جاتے ہیں
وہ ہنس دیں تو سارا عالم پھولوں سے بھر جاتا ہے
سر کو جھکائے ہولے ہولے بستی سے یوں نکلا ہوں
شام کو جیسے ڈوبتا سورج رک رک کر گھر جاتا ہے
دل سینے میں ہمکتا ہے یوں جیسے پنچھی شاخوں پر
رات کو چاند نکلتا ہے تو کیا جادو کر جاتا ہے!
روشن آئینوں میں شب کو بھی خورشید اترتے ہیں
جس کے دل میں چور چھپا ہو سائے سے ڈر جاتا ہے
قاتل اور تھے ان کا جرم بھی کل اپنے سر آیا تھا
دیکھئے آج یہ خون ہمارا کس کس کے سر جاتا ہے!
روح نہیں تو فن کا غبارہ کتنی دیر اڑاؤ گے!
اتنا ہی نیچے آتا ہے جتنا اوپر جاتا ہے

○

○

رنگ لائیں قیامتیں اپنی
ہم سے چھوٹیں محبتیں اپنی

اپنا جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے
پاس رکھ لو امانتیں اپنی

تھیں تو تیرے ہی دم قدم سے تھیں
دشمنوں سے بھی چاہتیں اپنی

ہم کو ویران کرکے چھوڑ گئیں
ہر کسی پر سخاوتیں اپنی

لے گئی ہیں کہاں کہاں ہم کو!
چھوٹی چھوٹی ضرورتیں اپنی

غم کے بدلے میں بِک رہی ہیں یہاں
کیسی کیسی مسرتیں اپنی!

چل نہ سکتے تھے المیہ یہ تھا
سرو جیسی تھیں قامتیں اپنی

کس روایت کا دودھ پی کے ہوئیں
خوبصورت یہ جدتیں اپنی

رجعتوں ہی کے کام آئی ہیں
رجعتوں سے بغاوتیں اپنی

کوئی آدم نیا تراش کہ سب
کھو چکے ہیں شباہتیں اپنی

اور کیا ہے ہمارے پاس جمیلؔ
ہاں مگر یہ بشارتیں اپنی

○

○

اس دل کا کوئی مول نہیں
جس دل میں ایک بھی جھول نہیں
یہ دکھ ہیں میری دھرتی کے
یہ بول سریلے بول نہیں
اپنے ہاتھوں میں پرچم ہے
خیرات نہیں کشکول نہیں
وہ بات بڑی بے قیمت ہے
جس بات میں سچا تول نہیں
کیا تیرے کڑوے ہونٹوں پر
دو پیار کے میٹھے بول نہیں!
یہ موتی دل کا موتی ہے
یہ موتی جس کا مول نہیں
وہ ہاتھ ہیں وقت کی نبضوں پر
جن ہاتھوں میں کشکول نہیں

○

○

دنیا والوں سے ہے پل دو پل کا ساتھ سنو
دھک دھک دھک دل کہتا ہے میری بات سنو
دنیا جھوٹ کا کھیل ہے پیارے کیا ہار کیا جیت
آج کی جیت بھی بن جاتی ہے کل کی مات سنو
جائیں جا کر صبح کی دیوی کو جا کر گھر لائیں
چاند سے کیا کہتی ہے تاروں کی بارات سنو
سکھ کے سپنے دیکھ چکے ہو جاگو صبح ہوئی
دکھ کے گیت سنانے آئے سوکھے پات سنو
وقت کی ٹک ٹک کہتی جائے فانی روپ کی دھوپ
اس دنیا سے سب جاتے ہیں خالی ہاتھ سنو
اس نغمے سے دھل جاتے ہیں سارے روح کے پاپ
برس رہی ہے آنکھوں سے رم جھم برسات سنو
باہر گہرا سناٹا ہے ہر سو چوکیدار
گھر میں بیٹھو اور اپنے دل کے نغمات سنو

○

○

بجھے ہوئے ہیں مگر تیری راہ تکتے ہیں
کوئی دیا نہ جلے پھر بھی ہم سلگتے ہیں
ستارے ٹوٹنے لگتے ہیں آنسوؤں کی طرح
کبھی جو صورتِ مہتاب ہم چمکتے ہیں
وہ بات جس کا ہے چرچا گلی گلی پیارے
وہ بات کہتے ہوئے تجھ سے کیوں جھجکتے ہیں
پکارتا ہے کوئی جیسے اپنے اندر سے
ہر ایک گام پہ رہ رہ کے ہم ٹھٹھکتے ہیں
ضرور مانگتے ہوں گے یہ چاند اور سورج
زمیں کی گود میں بچے اگر ہمکتے ہیں
وہ زندگی کے اندھیروں پہ طنز ہوتا ہے
کبھی چراغ کی صورت اگر بھڑکتے ہیں
جو زندگی سے ہے وعدہ اسے نبھائیں گے
ہم اپنی موت سے پیمان توڑ سکتے ہیں
سنا رہے ہیں تری داستاں زمانے کو
مگر عجب کہ نہ رکتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں
کھلا ہوا ہے چمن زار اپنے سینے میں
جمیلؔ اپنی ہی خوشبو سے ہم مہکتے ہیں

○

○

کس کس کا دکھ سہنا ہو گا
پھر بھی زندہ رہنا ہو گا
دھک دھک دل کی دیواروں کو
اندر اندر ڈھسنا ہو گا
چاند نگر کی باتیں ہوں گی
تاریکی میں رہنا ہو گا
اپنا دکھ سکھ تنہائی میں
اپنے دل سے کہنا ہو گا
جس سے پہاڑ چٹخ جاتے ہیں
ایسا بھی غم سہنا ہو گا
جیون کا دھارا ہے ایسا
کروٹ کروٹ بہنا ہو گا

ق

مجھ سے اچھا لگتا ہو گا
تم نے جو کچھ پہنا ہو گا
میرا پیار پہن لو اس سے
کون سا اچھا گہنا ہو گا
تیری صورت دل میں رکھ لوں
آخر چاند کو گہنا ہو گا

○

○

جدا جدا تھے مگر روپ ایک جیسا تھا
تو شب کا چاند تھا میں صبح کا اجالا تھا

تری تلاش میں جب اپنے گھر سے نکلا تھا
تو میرے دل میں عجب خواہشوں کا میلا تھا

محبتوں کے سبھی موسموں میں تنہا تھا
مرا شباب تھا یا روشنی کا دریا تھا

یہی بہار کا موسم تھا جب وہ بچھڑا تھا
میں اس کے بعد خزاں کی طرح اکیلا تھا

عجیب بات ہے میں اس کی راہ تکتا تھا
جو رات دن رگِ جاں سے قریب رہتا تھا

وہ تیز رو تھا کہ رستے میں چھوڑ جاتا تھا
جمیلؔ وقت نہ تیرا تھا اور نہ میرا تھا

○

○

تری عبادت میں جو گزاری وہ رات پردے الٹ گئی ہے
مگر میں اس کا حساب کیا دوں جو رات باتوں میں کٹ گئی ہے

جو ذات باطن میں جھانکتی تھی سمٹ گئی کائنات اس میں
جو ذات ظاہر پرست نکلی وہ ذات غیروں میں بٹ گئی ہے

ہوا ہے میرے لہو میں شامل تری محبت کا نور جب سے
جو دھند آنکھوں کے سامنے تھی وہ دھند نظروں سے چھٹ گئی ہے

چلا میں گھر سے تو یاد تیری روش روش میرے ساتھ آئی
ہوا یہ محسوس جیسے منزل قدم قدم سے لپٹ گئی ہے

زمین کی سمت آ رہا ہے خیال کتنی بلندیوں سے!
وہی جو صدیوں کی تھی مسافت وہ ایک پل میں سمٹ گئی ہے

تمام رستے جمیلؔ دیکھو اب ایک مرکز پہ آ ملے ہیں
جو درمیاں تھی وہ فاصلوں کی ہر ایک دیوار ہٹ گئی ہے

○

○

اپنی ہے بات سب کے فسانے سے مختلف
ہم ہیں جمیلؔ سارے زمانے سے مختلف
کیسے کھلے یہ بھید، وفادار کون ہے!
کھونے کا اعتبار ہے، پانے سے مختلف
ہیں دونوں صورتوں میں ہی آنسو نصیبِ چشم
رونا کہاں ہے ہنسنے ہنسانے سے مختلف
جذبہ تو ایک ہے مگر اظہار میں ہے فرق
ہے دل کا درد، دل کو دکھانے سے مختلف
کس کو خبر ہے کون ہے خوش کون خوش نہیں
میں ہوں اگر تمام گھرانے سے مختلف!
جیسا کریں گے ویسا بھریں گے یہی ہے سچ
کب کاٹنا ہے فصل لگانے سے مختلف!
جب دل کے نور میں ہو زمانوں کا بھی شعور
ہوتا نہیں نیا بھی پرانے سے مختلف
تجھ سے تو ایک عمر کا پیماں تھا میرے دوست
آنا تھا تیرا ہجوز کے جانے سے مختلف
چپ ہو گیا ہے یوں کہ نہ بولے گا وہ جمیلؔ
ہے اب کے روٹھنا بھی منانے سے مختلف

○

○

ہم سے پردہ ہے تو پردہ کر لو
اور دیوار کو اونچا کر لو
یہ بھی نیکی ہے تو بھر لو دامن
ہم کو ہر شہر میں رسوا کر لو
برقِ خانہ ہی سہی، وہ نہ سہی
دو گھڑی گھر میں اجالا کر لو
کل تو ہم لوگ نہ ہوں گے شاید
آج ہم سا کوئی پیدا کر لو
تم ہی گرتوں کو سنبھالا دے دو
تم ہی یہ کارِ مسیحا کر لو
طور پُرنور ہوا جاتا ہے
دید کا تم بھی تقاضا کر لو
خیر بھی یہ ہے صداقت بھی یہی
کوبکو حسن کا چرچا کر لو
جس کی کوئی بھی تمنا نہ کرے
دوستو اس کی تمنا کر لو
وہ جو اچھے ہیں وہ اچھے ہیں جمیلؔ
جو برے ہیں انہیں اچھا کر لو

○

○

اپنی رسوائیاں بہم کرتے
یوں تری چاہتیں رقم کرتے
کھل گیا سب سماعتوں کا بھرم
داد فریاد کس سے ہم کرتے!
جانے والوں کو لوٹ آنا تھا
وہ توقف تو کوئی دم کرتے!
عمر بھر دوستوں کے پاس رہا
دل کب اپنا تھا جس کا غم کرتے!
پھر بھی آوازِ دوست ہی آتی
دل کے اجزا اگر بہم کرتے
مر نہ جاتے یہ چاہنے والے
زندگی سے جو پیار کم کرتے!
سب قلم تیغ بن گئے تھے جمیلؔ
ہاتھ کس کس کے وہ قلم کرتے!

○

○

شہر میں شور تھا' میلا تھا
اک دل تھا کہ اکیلا تھا
ہم بھی ایک تماشا تھے
پیار بھی ایک جھمیلا تھا
دل کی ناؤ ڈوب گئی
آرزوؤں کا ریلا تھا
دکھ سکھ اپنے ساتھی تھے
سکھ پایا' دکھ جھیلا تھا
دل جو بازی ہار گیا
کتنے شوق سے کھیلا تھا
یار بھی اپنے تھے جب تک
جیب میں پیسہ دھیلا تھا
اُتنی سر میں خاک اڑی
جتنا میں البیلا تھا

○

○

یہ رنگ روپ ہیں سب بے ریا اصولوں کے
صبا کے ہاتھ میں دیکھو چراغ پھولوں کے
اندھیری رات میں تاروں کی چلمنوں سے مجھے
دکھائی دیتے ہیں چہرے مرے رسولوں کے
یہ کس خلا میں اڑے جا رہے ہیں بے سروپا!
ہجومِ خلق ہے یا قافلے بگولوں کے!
ہوا ہے حرفِ صداقت گلی گلی رسوا
تمام شہر میں چرچے ہیں بے اصولوں کے
ملا ہے صحبتِ گلشن سے حسن کانٹوں کو
خزاں کے پاس تو سب خار ہیں ببولوں کے
بس ایک رقصِ مسلسل ہے زندگی تیری
یہ صبح و شام تو ہیں نام تیرے جھولوں کے
نہا رہی ہے اجالے میں کائنات تمام
جمیلؔ ڈھل گئے پیکر سبھی ہیولوں کے

○

○

پھر دشتِ جاں میں ایک نیا طُور دیکھتے
تم میری آگہی کا اگر نور دیکھتے

ہے جس کی روشنی سے فروزاں جمالِ دوست
سورج وہ میری آنکھ میں مستور دیکھتے

کس طرح ان کہی کی زباں میں ہوا رقم
اس اجنبی نگاہ کا دستور دیکھتے

وہ سارے فاصلے تھے تمہارے وجود کے
تم پاس دیکھتے کہ بہت دور دیکھتے

مختارِ کل تھے کل جو حیات و ممات کے
آج ان کو اپنے سامنے مجبور دیکھتے

مجھ سا کوئی ہلاکِ تمنا ہوا نہ تھا
مجھ کو مرے لہو میں شرابور دیکھتے

جو تیرے خونِ دل سے مزیّن ہوا جمیلؔ
سب کی ہتھیلیوں پہ وہ منشور دیکھتے

○

○

دھوپ ہی سر پہ نہ آنکھوں میں نمی رہتی ہے
تو ہو پہلو میں تو چھاؤں بھی گھنی رہتی ہے

چاندنی رات کی چادر تو تنی رہتی ہے
میرے ہونٹوں پہ مگر پیاس جمی رہتی ہے

زندگی بھر تجھے کھونے کی تلافی نہ ہوئی
سب کے ہوتے ہوئے اک تیری کمی رہتی ہے

فصلِ گل آئے نہ آئے مگر اتنا کم ہے!
روبرو تو' تیری گل پیرہنی رہتی ہے

لوگ تھک جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے قصیدے تیرے
حاصلِ بزم تری کم سخنی رہتی ہے

ہم نہ ہوں گے تو قیامت تو نہ آئے گی جمیلؔ
بزمِ یاراں تو بہر حال جمی رہتی ہے

○

○

ہر چند مشتِ خاک، غمِ رائیگاں بھی ہے
یہ قطرۂ وجود، یمِ بیکراں بھی ہے

دیکھیں جو آسماں کی نظر سے زمین کو
ہم رنگِ آسمان یہی خاکداں بھی ہے

جس لامکاں میں گم ہے سفر کائنات کا
اس لامکاں میں ایک ہمارا مکاں بھی ہے

جس شاخِ گل کو آگ لگانے چلا ہے تو
اس شاخِ گلستاں پہ ترا آشیاں بھی ہے

جن ٹھوکروں میں ہم نے گزاری ہے زندگی
ان ٹھوکروں سے آج یہ دل کامراں بھی ہے

کاٹو گے بات. بات کہاں تک جمیلؔ کی
ہر ایک رخ سے اس کا سخن درمیاں بھی ہے

○

○

سب میں رہ کر سب سے چھپ کر تو مجھے دیکھا نہ کر
خود بھی یوں تنہا نہ ہو، مجھ کو بھی یوں تنہا نہ کر

کاٹنے پڑتے ہوں جن میں لفظ چاہت کے سبھی
تجھ کو لکھنے ہوں تو ایسے خط مجھے لکھا نہ کر

وقت تھم جاتا ہے رک جاتی ہے رفتارِ خیال
چلتے چلتے راستے میں اس طرح ٹھہرا نہ کر

ان کہی سی بات ہے جو تیرے میرے درمیاں
ان کہی رہنے دے، اس کا شہر میں چرچا نہ کر

دیکھ یوں بدنام ہو جائے گا سارے شہر میں
تو مرے گھر کا پتہ ہر شخص سے پوچھا نہ کر

گرد ہو جائے گا تو بھی وقت کی گردش کے ساتھ
جانے والی ساعتوں کا اس قدر پیچھا نہ کر

تیری رسوائی محبت کی تو رسوائی نہ ہو
آپ رسوا ہے اگر، اس نام کو رسوا نہ کر

دن میں بھی کیوں تیری خوشبو ہو نہ میری ہم سفر
رات رانی کی طرح بس رات بھر مہکا نہ کر

ایک قطرہ بھی ڈبونے کے لئے کچھ کم نہیں
تیری پلکوں پہ جو آنسو ہے اسے دریا نہ کر

○

○

کیسے کیسے رنگ میں یارو گردشِ دوراں ملتی ہے
کتنا سفر طے کرتے ہیں تو منزلِ جاناں ملتی ہے
ملکوں ملکوں گھوم چکے ہیں ساری دنیا ہے اپنی
جس مٹی کو چوم کے دیکھیں' بوئے گلستاں ملتی ہے
پھول تو دل میں کھل جاتے ہیں موسمِ گل کے آنے سے
کانٹوں کی بھی آنچ مگر نزدیکِ رگِ جاں ملتی ہے
پہلے تو تیرا پیکر ہی ہم سے گریزاں رہتا تھا
اب تو تیری یاد بھی اکثر بے سروساماں ملتی ہے
شبنم شبنم کتنے آنسو دے جاتی ہے پھولوں کو
یوں تو سحر کی صورت وہ بھی خنداں خنداں ملتی ہے
دل کا الاؤ جل اٹھتا ہے شام کا سورج بجھتے ہی
اک اک یاد تمہاری صورتِ سروِ چراغاں ملتی ہے
زندانوں کے در کھلنے کے شاید دن آ پہنچے ہیں
خوشبو خوشبو اک بے چینی زنداں زنداں ملتی ہے
راہیں آساں کرتے کرتے اپنی عمریں بیت گئیں
کون سے لوگ ہیں جن کو منزل اتنی آساں ملتی ہے!
جب سنتے ہیں دل میں آنسو ٹپ ٹپ گرتے ہیں جمیلؔ
کس کو بتائیں کس لہجے میں شام غزل خواں ملتی ہے!

○

○

ہمارے ساتھ ہی فکرِ معاش میں نکلے
سحر ہوئی تو پرندے تلاش میں نکلے

سبھی سے چھپ کے سبھی کی نظر میں بیٹھا ہوں
ہزار بھید مری بود و باش میں نکلے

سمو لئے ہیں وہ سب حرف دل کی دھڑکن میں
ترے لبوں سے جو اک ارتعاش میں نکلے

انہیں پھر اور کسی چیز کی ہوس کیسی!
تمہارے بعد جو اپنی تلاش میں نکلے

عجب ہے کھیل عناصر کی چار دیواری
کہ چار رنگ کے پتے بھی تاش میں نکلے

سیاہِ شب نے مرا جسم کاٹ کاٹ دیا
سحر کے رنگ مگر قاش قاش میں نکلے

پکارتی ہیں زبانیں ہر اک بُنِ مُو سے
کہ روح عصر بدن کی تلاش میں نکلے

کوئی خراش نہ آئے جمیلؔ چہرے پر
وہ آگہی مرے فن کی تراش میں نکلے

○

○

کیا وہی سینۂ بہار میں ہے!
اک خلش سی جو خار خار میں ہے
وہ کسی ذی وقار میں بھی کہاں!
بات جو تیرے اعتبار میں ہے
شہر کا شہر آشنا تیرا
اجنبی اک ترے دیار میں ہے
پھر وہ مل کر بچھڑ نہ جائیں کہیں
بے قراری سی کچھ قرار میں ہے
میرے دل کو بھی اختیار میں رکھ
سب جہاں تیرے اختیار میں ہے
چیر کر آ کبھی جہانِ وجود
زندگی تیرے انتظار میں ہے
ایسی خوشبو بہار میں بھی کہاں
جیسی خوشبو رخِ نگار میں ہے
طے کیا جتنا فاصلہ بھی جمیلؔ
قامتِ یار و زلفِ دار میں ہے

○

○

صدیوں کا سراغ مانگتا ہوں
سورج سے چراغ مانگتا ہوں

سب چاند سے نور مانگتے ہیں
میں چاند سے داغ مانگتا ہوں

تھوڑی سی بھی روشنی بہت ہے
مٹی کا چراغ مانگتا ہوں

دل تنگ نہ ہوں جہان والے
میں دل کا فراغ مانگتا ہوں

میں بھی ہوں جمیلؔ اک پرندہ
مہکا ہوا باغ مانگتا ہوں

○

○

اجڑی کھیتی میں ہم یوں آنسو بوتے ہیں
جیسے ماں مر جائے تو بچے روتے ہیں

دل میں جھانک کے دیکھیں تو کتنے بیگانے
صورت سے جو جانے پہچانے ہوتے ہیں

ان کو کیا معلوم کہ سورج کیا ہوتا ہے
جن کی راتیں جاگتی ہیں اور دن سوتے ہیں

قدم قدم پر انساں نے زنجیریں توڑیں
قدم قدم پر لیکن کتنے سمجھوتے ہیں!

بھید انہی پر کھلتے ہیں عالم عالم کے
جو فرزانے دل کے دیوانے ہوتے ہیں

○

○

دونوں جہاں کی جس کو، برابر کی ہے تلاش
اس دیدہ ور کی اور سخن ور کی ہے تلاش
سب سے حسین جس کو بنایا گیا یہاں
انساں کے روپ میں اسی پیکر کی ہے تلاش
لائے جو اپنے ساتھ صدف بے مثال سا
ایسے ہی لازوال شناور کی ہے تلاش
تنہائی کا یہ تجربہ پہلے ہوا نہ تھا
میں گھر میں رہ رہا ہوں مگر گھر کی ہے تلاش
منظر تو میں نے سارے نظر میں سمو لئے
اب مجھ کو اور کون سے منظر کی ہے تلاش!
یہ کارزار، عرصۂ محشر سے کم نہیں
کیوں ایک اور عرصۂ محشر کی ہے تلاش!
تابانیاں نہ جس کی کبھی ختم ہوں جمیلؔ
گوہر میں اس جمال کے جوہر کی ہے تلاش

○

○

اب تو وصال کی کوئی صورت نہیں رہی
شاید کہ ان کو میری ضرورت نہیں رہی
کیا یادگار تھا ترے ملنے کا اہتمام!
تقریبِ خاص کی وہ مہورت نہیں رہی
اِس چاندنی نے دل کا عجب حال کر دیا
اک چاند ہے وہ چاند سی مورت نہیں رہی
دھندلا کے رہ گئے مری آنکھوں کے آئینے
نظروں کے سامنے تری صورت نہیں رہی
دل دل سے مل گیا تو یہ دوری یہ بُعد کیا!
اب نامہ بر کی ہم کو ضرورت نہیں رہی
نفرت پہ چل رہا ہے یہاں کاروبارِ دل
دنیا کو چاہتوں کی ضرورت نہیں رہی
ایسا بھی معجزہ ہو، جمیلؔ ایک دن سنوں
انساں کے دل میں کوئی کدورت نہیں رہی

○

○

بن جاتے ہیں ہنستی بستی دھرتی کے سرطان
انسانوں سے چِھن جاتی ہے جب ان کی پہچان

چاند نگر تک سوچ پرندے کی ہر ایک اڑان
دل جیسا نادان تھا پہلے ویسا ہی نادان

میری بربادی کا کارن میرے دل کا چور
میری ذات میں پوشیدہ ہے غارت کا سامان

میرے جینے کی کیفیت تیرے وصل کا خواب
آنکھوں میں دم رک رک جائے تن سے نکلے جان

میں ہوں تیرا طالب مجھ پر غالب تیرا ہاتھ
سورج چاند ستارے سارے پل بھر کے مہمان

سب دنیا کو یاد ہیں میری نظمیں،غزلیں، گیت
لیکن میرے کام نہ آیا میرا یہ دیوان

○

○

ہر طرف سائے ہی سائے ہو گئے
اپنے ہی گھر میں پرائے ہو گئے

تھے میسر اور اب خواب و خیال
سب اشارے، سب کنائے ہو گئے

آزما لیں پھر انہیں ہم ایک بار
ان کو برسوں آزمائے ہو گئے

یوں رہے نامطمئن اب کے برس
مطمئن اپنے پرائے ہو گئے

بات کل کی ہے مگر لگتا ہے یوں
ان گنت صدیاں بِتائے ہو گئے

الجھنیں جاتی رہیں ساری جمیلؔ
کام بگڑے تھے، بنائے ہو گئے

○

○

تم نے ہمارے پاؤں میں زنجیر ڈال دی
ہم نے بنائے عظمتِ کشمیر ڈال دی

صیقل کیا کچھ ہم نے نگاہوں کو اس طرح
قاتل نے بھی نیام میں شمشیر ڈال دی

تاریکیوں میں جھیل اجالے کی بن گئی
سورج نے بڑھ کے چادرِ تنویر ڈال دی

یوں رنگ گھل رہے ہیں رواں پانیوں میں بھی
جیسے شفق نے ابر پہ تصویر ڈال دی

میں گھر کے رہ گیا ترے دریائے حسن میں
اک اک بھنور نے روح میں زنجیر ڈال دی

ہم قید کیا ہوئے ہیں کہ آزاد ہو گئے
تم نے کمندِ زلفِ گرہ گیر ڈال دی

آرائشِ چمن ہے کہ زیبائشِ بدن
کس نے جمیلؔ شعر میں تاثیر ڈال دی!

○

○

سب خواب تیرے حسن کی تعبیر بن گئے
ہم اک نئے جہان کی تقدیر بن گئے

تیرا خیال تھا دل و جاں میں بسا ہوا
دیکھا تجھے تو ہم تری تصویر بن گئے

صدیوں کے کام آئے یہ اوراقِ زندگی
لوحِ جہاں پہ وقت کی تحریر بن گئے

صبحِ ازل جو اپنی کماں سے نکل گیا
ہم بھی کرن کرن کا وہی تیر بن گئے

جس ہالۂ جمال میں تھا اپنا سب کمال
ہم چاند کا وہ حلقۂ تنویر بن گئے

پہلا قدم ہی جن کا غلط سمت میں اٹھا
وہ آپ اپنے پاؤں کی زنجیر بن گئے

ہے اپنے خون میں بھی وہی آتشِ چنار
ہم بھی جمیلؔ وادیٔ کشمیر بن گئے

○

○

درد میرے نام کر جاتا ہے وہ
صبح کو بھی شام کر جاتا ہے وہ

ایسے بکھراتا ہے زلفیں دن ڈھلے
مجھ کو زیرِ دام کر جاتا ہے وہ

جب جھکا لیتا ہے پلکوں کو ذرا
کیا سلونی شام کر جاتا ہے وہ

اپنا دل قابو میں رہتا ہی نہیں
کتنا بے آرام کر جاتا ہے وہ!

مہرباں ہوتا ہے تو ایسے جمیلؔ
منزلیں یک گام کر جاتا ہے وہ

○

○

کس میں اتنی ہمت تیرے نام کو پہنچے
اک اک کرکے سب اپنے انجام کو پہنچے

رنجِ اسیری سہتے سہتے جان گنوائی
کیا جی میں آئی کیوں اڑ کر دام کو پہنچے!

اس لمحے کو روک لو تم آنے سے پہلے
جب یہ خاموشی بھی اک کہرام کو پہنچے

جن کو شہرِ ابد میں جا کر شام ہوئی ہے
صبح کو نکلے لیکن کب گھر شام کو پہنچے!

جس کے نام کتبہ روحوں پر کندہ ہے
میرا سلام جمیلؔ ایسے گمنام کو پہنچے

○

○

عمر بھر ہم کو یہی کام رہے
جستجو تیری بسر گام رہے
ساری شامیں تھیں اکیلی' بے نام
شام' ہر شام' ترے نام رہے
درد سویا ہے کہ تم آئے ہو
آج کچھ دیر تو آرام رہے
ان سے کیا گھر میں اجالا ہوتا
وہ ستارے جو پسِ بام رہے
یہ بھی اک تیری ادا ہو شاید
ذکرِ بے مہریٔ ایام رہے
نیک ناموں ہی کے ہاتھوں اکثر
ہم سے درویش بھی بدنام رہے
تم نے بھی کام سنوارے کتنے!
ہم تو تھے' ناکام رہے

○

○

فرش تا آسماں نہیں چھوڑے
فاصلے درمیاں نہیں چھوڑے
اب کہاں ہم انہیں تلاش کریں!
رہزنوں نے نشاں نہیں چھوڑے
کس ادا سے کیا ہے قتل ہمیں
زخم بھی مہرباں نہیں چھوڑے!
گرد میں گرد ہو گئے لیکن
پھر بھی یہ کارواں نہیں چھوڑے
ذرے ذرے کے دل میں رہتے ہیں
نقش اپنے کہاں نہیں چھوڑے!
ہے سبھی کچھ اِنہی کی خوشبو میں
صرف کچے مکاں نہیں چھوڑے
کام تو خود ہی بولتے ہیں جمیلؔ
نام ہی ہم زباں نہیں چھوڑے

○

○

دھرتی ماں سے جو وعدہ ہے اس کو آج نبھائیں گے
روتے روتے آئے تھے ہم ہنستے ہنستے جائیں گے
تیرا دودھ پیا ہے ہم نے تجھ سے ہیں ہم پائندہ
تیری دعائیں لینے والے موت سے کیا گھبرائیں گے!
تو نے خواب جو دیکھا تھا ماں! اس کی ہم تعبیریں ہیں
اپنے اک اک حرف سے ہم تیری تصویر بنائیں گے
آنکھوں میں مہتاب ہیں روشن یہ ذرے بھی تارے ہیں
ان کو زمیں میں بوئیں گے کیا کیا خورشید اگائیں گے!
تو ہی حسن ہے تو ہی صداقت تو ہی دہر ہے تو ہی خیر
اپنی جاں سے گزر جائیں گے تیری خیر منائیں گے
تو ہی اپنی روحِ رواں ہے' تیرا چشمہ جاری ہے
حرف و صدا کو کتنے نئے نئے معنی پہنائیں گے!
تو ہی ازل ہے تو ہی ابد ہے تو دائم تو قائم ہے
تجھ سے بچھڑ کر بھی ہم آخر تیری طرف ہی آئیں گے

○

○

تیری آنکھوں کی منڈیروں پہ چمکتا کیا ہے!
کس کا لہجہ ہے! محبت نے یہ پوچھا کیا ہے!
میں سمجھتا ہوں بہت دیکھ چکا ہوں دنیا
وہ یہ کہتا ہے کہ تو نے ابھی دیکھا کیا ہے!
ایک آہنگ میں آہنگ چھپے ہیں کتنے!
ہر گھڑی رنگ بدلتی ہوئی دنیا کیا ہے!
کبھی ہو جاتی ہے انہونی بھی ہونی یارو!
دیکھتے جاؤ بھر گام کہ ہوتا کیا ہے!
ایک لمحے میں یہ دنیا ہی بدل سکتی ہے
تم کو معلوم ہی کب ہے کہ یہ دنیا کیا ہے!
آتی جاتی ہوئی سانسوں میں بہت کچھ ہے مگر
آتی جاتی ہوئی سانسوں کا بھروسہ کیا ہے!
حسنِ تدبیر سے یہ بھید بھی کُھل جاتا ہے
لوحِ محفوظ پہ تقدیر نے لکھا کیا ہے!
چشمِ دل کھول کے دیکھیں تو نظر آئے گا
جو اندھیرے میں چھپا ہے وہ اجالا کیا ہے!
کچھ نہ ہونے پہ بھی سب کچھ ہے مرے پاس جمیل
وہ سمجھتے ہیں مری جیب میں رکھا کیا ہے!

○

○

روشنی چلی جائے، آگہی چلی جائے
کیوں جمیلؔ یہ اپنی زندگی چلی جائے!
بے کلی سے کھلتی ہے ہر کلی محبت کی
کیا رہے اگر اپنی بے کلی چلی جائے!
کچھ نظر نہیں آتا دن کی روشنی میں بھی
جب دلوں کے آنگن سے روشنی چلی جائے
بے کسی کو جینے کا کچھ جواز مل جائے
زندگی اگر تیری بے رخی چلی جائے
کون کس کو بتلائے دل پہ کیا گزرتی ہے
گھر کے پاس جب آ کر ہر خوشی چلی جائے
اک ہجومِ تنہائی ساتھ ساتھ رہتا ہے
جب بھرے زمانے سے دوستی چلی جائے
سایہ اس طرح اپنا پھیلتا سمٹتا ہے
جیسے زندگی آئے، زندگی چلی جائے
کیوں نہ تا ابد اس کو ہم سنبھال کر رکھیں
یوں نہ ہو کہ چاہت کی رسم ہی چلی جائے
پھر جمیلؔ شعروں میں کیا اثر رہے باقی
روٹھ کر اگر دل سے نغمگی چلی جائے

○

○

اب وہ خواب و خیال میں بھی کہاں!
ہجر میں بھی وصال میں بھی کہاں!
جیسی مستی ہے تیری آنکھوں میں
ایسی چشمِ غزال میں بھی کہاں!
جو سبھاؤ سا تیری چال میں ہے
گردشِ ماہ و سال میں بھی کہاں!
تیری صورت کی شعبدہ بازی
آئینے کے جمال میں بھی کہاں!
تیری یہ سادگی و پرکاری
پیکرِ بے مثال میں بھی کہاں!
تیری چپ میں جو شور برپا ہے
وہ جواب و سوال میں بھی کہاں!
ڈوب کر سینۂ صدف میں رہا
گم ہوا تو زوال میں بھی کہاں!
لذتِ زخمِ دل، غمِ حاصل
راحتِ اندمال میں بھی کہاں!
جو ہنر اس کی بات میں ہے جمیلؔ!
تیرے فن کے کمال میں بھی کہاں!

○

○

ہوا ہے حسن سے منسوب سلسلہ دل کا
نہ جانے اب کہاں ٹھہرے یہ قافلہ دل کا
ہوا لئے لئے پھرتی تھی خشک پتوں کو
مگر بہار سے ہے اب معاملہ دل کا
تھا اعتماد ہمیں اپنے آپ پر بھی بہت
بڑھا ہے اور محبت میں حوصلہ دل کا
ہمارے گھر میں کبھی رات بھر قیام کرو
کبھی کسی پہ نہیں بند راستہ دل کا
اس آئینے میں ہمیں بھی تلاش کر لینا
ہمارے بعد کرو جب بھی سامنا دل کا
پتہ اسے بھی چلے قیمتِ گہر کیا ہے!
جو زندگی میں پڑے تم سے واسطہ دل کا
محبتوں کے شگوفے دلوں میں کھلتے رہیں
کبھی کسی سے بھی ٹوٹے نہ رابطہ دل کا
ہوس ہے ان کو بھی کیا کیا نشاطِ منزل کی
ہنوز سر نہ ہوا جن سے مرحلہ دل کا
وہی جمیلؔ عبادت بنا ہے دل کے لئے
نظر نظر سے چلا تھا جو مشغلہ دل کا

○

○

چمن میں جتنے بھی گل کھلے ہیں تمام تیرے مرے لئے ہیں
فلک پہ روشن ہیں جو ستارے ہمارے احساس کے دیئے ہیں

وہ چاند صورت قریب سی ہے' یہ رات کتنی عجیب سی ہے
دلوں میں ٹھنڈک اتر گئی ہے وصال کی چاندنی پیئے ہیں

وہ دم بخود خشک لب کھڑے ہیں کہ کوئی جھونکا انہیں بھی چھیڑے
بہار کی جلوتوں میں پھولوں کے چاک کانٹوں نے کب سئے ہیں!

اندھیری راتوں میں روشنی کی کرن بھی ان کے لئے بہت ہے
جو لوگ کانٹوں پہ بھی چلے ہیں جو لوگ بے آسرا جئے ہیں

ہمیں محبت سے یاد رکھیں گی آنے والی جوان نسلیں
کہ اب سے پہلے جو ہو نہ پائے تھے ہم نے وہ کام بھی کئے ہیں

ہوا چلی اور سب پرندوں نے پر کِھلارے کہ فصلِ گل ہے
جمیلؔ تم بھی زبان کھولو تمہارے لب کس نے سی دیئے ہیں!

○

○

جانے کس کی یاد میں ہے کھوئی کھوئی چاندنی
خاک پر بکھری پڑی ہے سوئی سوئی چاندنی

آرزوئیں آگے پیچھے بھاگتی ہیں رات بھر
کوئی کوئی چاند ہے اور کوئی کوئی چاندنی

چشمۂ آبِ بقا سے چاندنی پیتے رہے
دھوئے دھوئے ہم بھی ہیں اور دھوئی دھوئی چاندنی

اک لگن میں چاند اور میں رات بھر جاگا کیے
کھوئی کھوئی تھی خدائی' سوئی سوئی چاندنی

صبح دم دیکھا تو قطرے اوس کے تھے گھاس پر
موتیوں میں ڈھل گئی تھی روئی روئی چاندنی

اب کھِلیں گے چاندنی کے پھول مٹی سے جمیلؔ
دور تک ہے کھیتیوں میں بوئی بوئی چاندنی

○

○

اپنے انداز پہ مرنا کوئی تم سے سیکھے
پیشِ آئینہ سنورنا کوئی تم سے سیکھے
رنگ و خوشبو میں سموئے ہوئے جھونکے کی طرح
وادیٔ جاں میں ٹھہرنا کوئی تم سے سیکھے
کیا ادا ہے کوئی آہٹ ہے نہ دستک نہ خیال
یوں دبے پاؤں گزرنا کوئی تم سے سیکھے
رات بھر حسنِ تصور کی طرح گلشن پر
اوس بن بن کے بکھرنا کوئی تم سے سیکھے
لاگ کا ہو کہ لگاوٹ کا ہو کوئی انداز
دل کے شیشے میں اترنا کوئی تم سے سیکھے
استقامت کا چلن کون سکھائے تم کو
بات کہہ کہہ کے مکرنا کوئی تم سے سیکھے
ہم تو مرتے ہیں کہ تم پر نہ کوئی آنچ آئے
اپنے سائے سے بھی ڈرنا کوئی تم سے سیکھے
ایک گم نام سی منزل کے لئے یار جمیلؔ
ہنس کے یوں جاں سے گزرنا کوئی تم سے سیکھے

○

○

سورج کو ذرے میں سمٹ کر دیکھوں
دنیا کو دنیا سے ہٹ کر دیکھوں
بکھروں تو خورشید ابھرتے جائیں
ذرے ذرے میں بٹ بٹ کر دیکھوں
اتنی دیر میں عرش کو بھی چھُو آؤں
ذات میں جتنی دیر سمٹ کر دیکھوں
شاید میں بھی پتھر کا ہو جاؤں
کوئی بلائے تو نہ پلٹ کر دیکھوں
بہتا جاؤں، لہر لہر سے کھیلوں
دل دریا سے کیوں کٹ کٹ کر دیکھوں!
میرے عکس میں شاید رقص ہو تیرا
اپنے ہی سائے سے لپٹ کر دیکھوں
کس گوشے میں جانے تو بیٹھا ہو
دل کے سب اوراق الٹ کر دیکھوں
دل میں جمیلؔ دھنک سی بنتی جائے
اڈروں، چھاؤں، برسوں، چھٹ کر دیکھوں

○

○

عجب طرح کی اس برس ہوائے دہر ہو گئی
جو انگبیں تھی زندگی وہ زہر زہر ہو گئی
فریبِ حسنِ یار نے سب اعتبار کھو دیئے
وہی جو جوئے شیر تھی وہ خوں کی نہر ہو گئی
محبتوں کا ایک ایک زاویہ بدل گیا
نظر نظر کی روشنی بھی قہر قہر ہو گئی
حسین پیشکش تو تھی مگر خلوص سے تہی
دوا بھی اس نے دی تو اپنے حق میں زہر ہو گئی
کسی بھی لہر میں نہ وہ تڑپ رہی نہ زندگی
کہ ساحلوں کی ہم نشیں ندائے بحر ہو گئی
جو بات بے ثبات تھی ہوا کے ساتھ اڑ گئی
جو اپنے لب پہ آ گئی صدائے شہر ہو گئی
وہ جس طرف بھی چل دیئے ہزار پھول کھل اٹھے
جمیلؔ دل میں آ بسے تو لہر بہر ہو گئی

○

○

جب تعلق ہی ترا میرے فسانے سے نہیں
فائدہ کچھ بھی تجھے یاد دلانے سے نہیں
پیار کرنا ہے تو حالات سے ڈرنا کیسا!
آ مرے پاس مگر حیلے بہانے سے نہیں
ساری دنیا کو گنوایا ہے تو پایا ہے تجھے
تجھ سے شکوہ ہے مجھے، سارے زمانے سے نہیں
دل ہوں آباد تو شاداب ہوں ویرانے بھی
دل کی تسکین فقط شہر بسانے سے نہیں
ہم کو دھن ہے تو فقط روشنی پھیلانے کی
اور مقصد تو کوئی آگ چرانے سے نہیں
جن کے نقشِ کفِ پا آج بھی ہیں راہ نما
ان کی عظمت کا بھرم سوگ منانے سے نہیں
جس نے دل توڑ دیا چاند کو تسخیر کیا
آدمی تو ہے بڑا، میرے گھرانے سے نہیں

○

○

کس طرف سے آئیں جھونکے پیار کے
بند ہیں سب راستے اظہار کے

ہم سے بھی اے دوست اتنا فاصلہ
ہم کہ واقف ہیں تری رفتار کے

دھوپ ہے اور ریگ کا سیلِ رواں
چھن گئے سائے بھی زلفِ یار کے

گھر کی یاد آئی تو ریگِ دشت پر
بن گئے نقشے در و دیوار کے

کیسی کیسی صورتوں میں ڈھل گئے
زاویے زلف و لب و رخسار کے

زخم دل کا اور گہرا ہو گیا
بھر گئے جو گھاؤ تھے تلوار کے

وہ جو تاروں میں چمکتے ہیں جمیلؔ
زخم ہیں وہ بھی دلِ فنکار کے

○

○

پٹختی رہتی ہیں موجیں سر اپنا ساحل پر
لٹا تھا ایک غریب الدیار منزل پر

ابھی تو خونِ دلِ تشنگاں رواں ہو گا
ابھی تو اور بھی آئے گا رنگ محفل پر

لہو کے تیر سبھی آشناؤں جیسے ہیں
کسے بتائیں کہ کس کس کا گھاؤ ہے دل پر!

شہید کرکے ہمیں مر گیا وہ اندر سے
خود اپنے قتل کا الزام بھی ہے قاتل پر

وہ دل مِلا ہے تڑپ لازوال ہے جس کی
میں ہوں شہیدِ ازل اس ادائے بسمل پر

○

○

کبھی حیات کو حاصل دوام بھی ہو گا
یہ ناتمام سفر ہی تمام بھی ہو گا
ٹھہر ٹھہر کے پہنچ تو گیا ہے منزل تک
یہ کاروانِ سحر، تیز گام بھی ہو گا
بہار آئے نہ آئے مگر کھلیں گے گلاب
ہمارے خون سے یہ اہتمام بھی ہو گا
سنبھل سنبھل کے یہ کہتی ہیں دھڑکنیں دل کی
کہ وقت ہم سے کبھی ہم کلام بھی ہو گا
شبِ وصال رہے گا نہ وہ پسِ پردہ
ہلال افق پہ بے نیام بھی ہو گا
کسی کا دل نہ دکھانا، سبھی کے کام آنا
یہی تو کام بڑا ہے یہ کام بھی ہو گا
تلاشِ رزق کی زنجیر سے رہائی کہاں!
زمیں کے پاس ہے دانہ تو دام بھی ہو گا
فنا کے چاک پہ رکھا ہوا ہے دل اپنا
جو اس قدر ہے توانا تو خام بھی ہو گا
بہت ہوا تو یہی نا کہ تیرے ساتھ جمیلؔ
کسی ورق پہ کہیں میرا نام بھی ہو گا

○

○

ست رنگا اور بھیگا موسم
دیکھا ہے ان دیکھا موسم
پھر خوشبو گھونگھٹ سے نکلی
پھر پھولوں کا آیا موسم
شاخوں پر پنچھی اُگ آئے
دیکھو کیسا بدلا موسم!
میں ہوں، تم ہو، نرم ہوا ہے
آج ہے کتنا اچھا موسم
سارے خواب بکھر جاتے ہیں
کس کی یاد اور کیسا موسم!
ہر موسم میں ہم کہتے ہیں
شاید ہو یہ اپنا موسم!

ق

اپنا موسم کوئی نہیں ہے
پچھلا ہو یا اگلا موسم
اپنی تو برسات یہی ہے
تو سکھ کا میں دکھ کا موسم
وہ ہو گا تو ہم نہیں ہوں گے
کب آئے گا اپنا موسم!

○

○

سر سے کیوں ٹلنے نہیں پاتی یہ جلتی دوپہر
لمحہ لمحہ چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر
اس کی جانب ہاتھ بڑھاؤں تو تکتا رہ جاؤں
جس کی یاد ستائے مجھ کو آ کر آٹھوں پہر
زخمِ محبت کی پہنائی ماپ سکا ہے کون!
جتنیٔ گہرائی ہے دل کی کہاں ہے گہرا' بحر!
کوئی کسی کے ہاتھ نہ آئے اک بے انت سفر
آگے پیچھے بھاگ رہی ہے خلقت شہر بہ شہر
یوں دروازوں پر بیٹھے ہیں ریزہ ریزہ لوگ
جیسے بازی ہار چکا ہو ٹوٹا پھوٹا شہر
کل بھی آج بھی شیریں تو پرویز کی ہے جاگیر
کس کی خاطر ہم نے بہائی اپنے خون کی نہر!
جل تھل جل تھل ہو جائیں گے سب چٹیل میدان
جس دن موج میں آ کر اٹھی دریا دریا لہر
جن کے ہاتھوں اپنے سارے خواب ہیں آج عذاب
دیکھنا ان پر بھی ٹوٹے گا ان کا اپنا قہر
شمس و قمر کے ساتھ چلیں تو سب راہیں آسان
وقت ہوا ہے' وقت خدا ہے' وقت مقدس دہر

○

○

میرا درد نہ جانا تم نے، اپنا غم لے بیٹھے ہو
حرفِ تسلی تو کیا دیتے، نشترِ سم لے بیٹھے ہو
سنی سنائی باتوں سے کب منزل سر ہو سکتی ہے
پہلے پاؤں توڑ چکے اب نقشِ قدم لے بیٹھے ہو
نیند میں باتیں کرنے کا انداز کہاں سے سیکھ لیا
کیسی بیداری ہے، کیسا خوابِ عدم لے بیٹھے ہو!
خون کی اتنی ارزانی ہے لوگ تو پینا بھول گئے
اورتم اس ارزانی میں بھی ساغرِ جم لے بیٹھے ہو
مانگے کی دانائی لے کر کل بھی بازی ہار گئے
آج بساط بچھا کر پھر سے دام ودرم لے بیٹھے ہو
روح بھی اپنی پارہ پارہ جسم بھی چھلنی چھلنی ہے
پہلے گھاؤ کیا کم تھے اب اور کرم لے بیٹھے ہو
وہ تو ہواؤں کے جھولے میں مست ہے اڑتا پھرتا ہے
کس کی خاطر اپنے سر پر کوہِ الم لے بیٹھے ہو!
ذات کے خول سے باہر نکلو آج کی کل کی بات کرو
قدریں ٹوٹ رہی ہیں، کیسا کس کا بھرم لے بیٹھے ہو!
باہر ایٹم اور میزائل ساری فضائیں دھواں دھواں
اور جمیلؔ تم اپنے گھر میں لوح و قلم لے بیٹھے ہو

○

○

تو کیا یہ سچ ہے کہ کشکول سب نے توڑ دیا!
جو تھا رقیب کا در، عاشقوں نے چھوڑ دیا!

عجیب کوہ کنی اختیار کی سب نے
کہ ایک ذرے نے سارا پہاڑ پھوڑ دیا

چلیں تھیں یوں تو سبھی کوہ و دشت و صحرا سے
مگر ہواؤں نے رخ آندھیوں کا موڑ دیا

یہاں تو ٹوٹ رہے تھے وفا کے رشتے بھی
زمیں وہ ماں ہے کہ ٹوٹے دلوں کو جوڑ دیا

جو گمرہی کا نشاں، قتل گاہِ ایماں تھا
اِس آگہی نے تو وہ راستہ ہی چھوڑ دیا

یہیں سے راستہ منزل کی سمت کُھلتا ہے
جمیلؔ وقت نے کتنا جمیل موڑ دیا!

○

○

مٹ گئے سارے گلے
یار جب ہنس کے ملے

گفتگو یوں بھی ہوئی
کہہ گئے' لب نہ ہلے

سب ہمیں بھول گئے
اب نہ شکوے نہ گلے

زخم گہرے تھے بہت
چارہ گر سے نہ سلے

بولنا جرم سہی
چپ کی تو داد ملے

دل میں پت جھڑ تھی جمیلؔ
پھول ہونٹوں پہ کھلے

○

○

جھک جانے سے انکار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
یہ جرم سرِ دربار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
ساحل ساحل پر دشمن گھات میں بیٹھے تھے
ہر خون کا دریا پار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
جن سینوں کی تاریکی موت سے گہری تھی
ان کو بھی پُر انوار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
ہم بات بات پر لڑنے والے بچے تھے
ہم سب کو خوش اطوار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
خوں دے دے کرسب باغ بغیچے مہکائے
روحوں کو بھی گل نار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
کیا سنگم تھا، کیا سات سُروں کا سرگم تھا
کیسے کیسے سرشار کیا، کیا لوگ تھے وہ!
ہم گم رہتے تھے خوابوں اور عذابوں میں
سورج بن کر بیدار کیا، کیا لوگ تھے وہ!

○

○

شہرِ مانوس دیکھنے آئے
سمتِ معکوس دیکھنے آئے
لوگ نیلام اور وہ سرِ بام
رقصِ طاؤس دیکھنے آئے
شہرِ قارون تھا کوئی جس کو
سارے کنجوس دیکھنے آئے
آج تو اذنِ عام تھا سارے
تختِ طاؤس دیکھنے آئے

○

ہم سے بھی کچھ فقیر لوگوں کا
نام ناموس دیکھنے آئے
ایسے وہ ہم کو دیکھنے آیا
جیسے جاسوس دیکھنے آئے
کیسے کیسے جمیلؔ دل والے
دردِ محسوس دیکھنے آئے

○

○

تمہارے عہدِ شگفتہ کا کیا یقیں آئے
بہار بیت گئی اور تم نہیں آئے
صبا چمن سے پلٹ کر تری طرف جائے
ترے لبوں سے اسے لطفِ انگبیں آئے
ہے کون لہر صفت میرے دل سمندر میں
جو ڈوب ڈوب کے ابھرے وہ تہہ نشیں آئے
اکیلے پن کی یہ وحشت تو کاٹ کھائے گی
مکان خالی پڑا ہے کوئی مکیں آئے
مری زمیں کا مسافر خلا میں جا کر بھی
یہ سوچتا ہے کوئی خطۂ زمیں آئے
جو سر بچائے ہوئے تھے وہ دور جا بیٹھے
جو چوٹ کھائے ہوئے تھے مرے قریں آئے
جمیلؔ دل سا کوئی کعبۂ جمال کہاں!
بہت جمیل گئے اور بہت حسیں آئے

○

○

سبھی کے گھر میں اگر اک چراغ جل جائے
تو چور چھپ نہ سکے، شہر سے نکل جائے

جو سوچتے ہیں وہ بس سوچتے ہی رہتے ہیں
ہر ایک لحہ نئی ایک چال چل جائے

ہزار بار پکاریں مگر نہ لوٹ سکے!
وہ تیر ہاتھ سے اک بار جو نکل جائے

سنا ہے روح تو مرتی نہیں مگر پھر بھی
ہوس کی آگ میں یہ روح بھی نہ جل جائے

تم اپنے ہاتھ میں یہ میرا ہاتھ رہنے دو
نہ جانے وقت بھی کل راستہ بدل جائے!

ہمارے سامنے ہے اپنا نامۂ اعمال!
یہ دن تو روزِ قیامت ہے، کیسے ٹل جائے!

جمیلؔ کام زمانے کے سب سنور جائیں
کسی بھی طور اگر آدمی سنبھل جائے

○

○

اجاڑ کھیت، درختوں کی سبز چھاؤں نہیں
جسے میں چھوڑ کے نکلا تھا وہ تو گاؤں نہیں

یہ کیسی لُوٹ مچائی ہے جنگ بازوں نے!
کسی کے ہاتھ نہیں اور کسی کے پاؤں نہیں

بڑی حسین، بڑی دلربا سہی لیکن
پرائی چیز ہے، اپنی تو دھوپ چھاؤں نہیں

محاذ چھوڑ نہ دینا کہ طعنہ زن ہوں رقیب
لڑو گے کیا کہ تمہارے تو ہاتھ پاؤں نہیں!

اُنہی کا نام ہے زندہ کہ جو شہید ہوئے
جمیؔل وقت کی تختی پہ اور ناؤں نہیں

○

○

جدا ہے اپنی محبت سبھی فسانوں سے
کہ جانتا ہوں تمہیں میں کئی زمانوں سے
مجھی کو سونپ دو بارِ گراں جوانی کا
یہ بوجھ اٹھ نہ سکے گا تمہارے شانوں سے
سِکھا کے مجھ کو محبت' مجھی کو بھول گئے
شکائتیں ہیں مجھے اپنے مہربانوں سے
اُنہی کے پاس ہیں ساری نشانیاں میری
سراغ پاؤ گے میرا تو بے نشانوں سے
ہر اک مکیں کو مکاں چھوڑنا پڑا آخر
یہی مکین کا رشتہ رہا مکانوں سے
دلوں میں نقش ہوں میں نقشِ جاوداں کی طرح
مرا مقام تو اونچا ہے حکمرانوں سے
ہمارے خواب ادھورے کریں گے یہ پورے
یہی جمیلؔ توقع ہے نوجوانوں سے

○

○

کبھی فلک پہ اڑوں اور کبھی لحد میں رہوں
یہ کیا کہ میں ہی سبھی موسموں کی زد میں رہوں!

جو دیکھنا ہے مجھے تو مرے لہو میں اتر
میں وہ نہیں کہ فقط اپنے خال و خد میں رہوں

مری نظر میں ذرا میرا قد بھی بڑھ جائے
کسی بہانے اگر تیرے سرو قد میں رہوں

تجھے تلاش کروں ماورائے کون و مکاں
مگر میں آپ اسی جسم و جاں کی حد میں رہوں

بڑھاؤں ہاتھ تو میں آسماں سے اونچا ہوں
زمیں پہ پاؤں جو رکھوں تو اپنے قد میں رہوں

جدا نہیں مری تخلیق سے مری تکمیل
جمیلؔ ازل میں جنم لوں کہ میں ابد میں ہوں

○

○

آج بچھڑے ہوئے جی بھر کے ملیں
جانے کل پھول کھلیں یا نہ کھلیں

لذتِ درد سوا ہوتی ہے
بھرتے بھرتے ہوئے جب زخم چھلیں

کیا کہیں کیا نہ کہیں تیرے حضور
جان سے جائیں اگر ہونٹ ہلیں

سوزنِ جاں میں ہے اک تارِ نفس
یہ بھی کٹ جائے تو کیا زخم سلیں!

چاک زخموں کے کھلے رکھتے ہیں
زخم سل جائیں تو غنچے نہ کھلیں

زندگی شعلۂ گفتار میں ہے
ہم تو مر جائیں اگر لب نہ ہلیں

○

○

نکلا جو گھر سے راہ میں بارش نے آ لیا
رِم جِھم ترا خیال تھا میں بھیگتا گیا
برسوں کے بعد اس سے ہوا یوں بھی سامنا
منہ پھیر کے وہ جیسے مجھے دیکھتا رہا
میں کون سی نظر سے کہو اس کو دیکھتا
وہ آپ بھی تو میری نگاہوں کا عکس تھا
مرجھا گیا جو پھول دوبارہ نہ کھل سکا
پہلو بدل بدل کے گزرتی رہی صبا
جاؤ اسی سے جا کے مرا حال پوچھ لو
یارو یہاں تو کیا ہے بجُز حرفِ نارسا
دل میں وہ زخم ہے کہ بھرا آج تک نہیں
پھینکا تو اسنے ایک محبت کا پھول تھا
یوں تو فلک مقام ہیں کیا کیا عمارتیں
ہم کو نہ راس آئی ترے شہر کی ہوا
میں کیا جواب دوں کہ زباں لے گیا کوئی
سب پوچھتے ہیں تیری فصاحت کو کیا ہوا
چپ ہو گیا ہے اب تو رلاتی ہے اس کی یاد
یوں تو وہ ایک دل تھا مگر کتنے کام کا!

اس کا ہر ایک زخم گوارا تو ہے مجھے
لیکن چلے گا اور کہاں تک یہ سلسلہ!

ایسی کشش تھی لوٹ کے آنا پڑا مجھے
میں ہی تھا ان بسیط فضاؤں میں پَرکشا

اس دورِ بے ہنر میں متاعِ ہنر کہاں
فنکار بولتا تھا مگر وہ بھی چپ ہوا

کچھ بھی نہیں ہے پاس مگر اس کے باوجود
مجھ کو ترے خلوص نے کیاکیا نہیں دیا!

آؤ کہ چھوڑ جائیں یہیں اپنی رنجشیں
اک دوسرے کو بخش دیں اپنا کہا سنا

اک زندگی تھی کام ہزاروں کے آ گئی
وہ کیا جیا جمیلؔ جو اپنے لئے جیا

○

○

یہ دل غیرت فروشوں کے لئے ناشاد کیا کرنا!
جو بستی چھوڑ بیٹھے ہیں اب ان کو یاد کیا کرنا!

○

○

وہ ایک لمحہ جسے حاصلِ زمانہ کہیں
فسانہ ہو بھی تو کیسے اسے فسانہ کہیں!
ہمارے دل میں کھلے ہیں گلاب زخموں کے
تری زبان کو کیسے نہ تازیانہ کہیں!
جو بات دل سے زباں تک کبھی نہیں آئی
وہ بات ان سے کہیں بھی تو غائبانہ کہیں
تو کیا گیا ہے کہ ہر چیز نے چلن بدلا
کسی ادا کو بھی اب تو تری ادا نہ کہیں
یہ لفظ تیرے ستم اب اٹھا نہیں سکتا
تجھے کچھ اور کہیں تجھ کو بے وفا نہ کہیں
ہمارے بچے بھی مفہومِ عشق پوچھتے ہیں
اسے بھی اپنی محبت کا شاخسانہ کہیں
چمن سے رشتۂ دل توڑ کر کہاں جائیں!
کہ اب صبا کو بھی ضد ہے اسے صبا نہ کہیں

مسافرت میں کوئی بھی تو گھر نہیں اپنا
قیام ہو بھی تو اس کو مسافرانہ کہیں

پرند لُٹ کے اگر شاخ شاخ بیٹھے ہیں
اسے علامتِ تعمیرِ آشیانہ کہیں

ہمیں خبر ہے کہ آدابِ زندگی کیا ہیں!
کوئی برا بھی کہے تو بھی ہم برا نہ کہیں

ہمیں بھی رمزِ اناالحق سمجھ میں آ جائے
اگر یہ حرفِ صداقت قلندرانہ کہیں

سیاہ گھات میں، شدت کی پیاس، شامِ الم
یہ دور وہ تو نہیں جس کو کربلا نہ کہیں!

یہاں تو جو بھی ہے صورت بہار جیسی ہے
جمیلؔ جلوۂ فن کو نگارخانہ کہیں

○

○

جو پردہ کر گئے ہم سے وہ کس دنیا میں رہتے ہیں
بتائیں سامنے آ کر وہ جس دنیا میں رہتے ہیں

○

○

پہلے سینے میں مرے پیوست' پیکاں دیکھئے
اور پھر دل آئینے میں نوکِ مژگاں دیکھئے

میرا قاتل بھی وہی میرا مسیحا بھی وہی
اس کے ہی بس میں ہے اپنا درد و درماں دیکھئے

آدمی کو قتل کرنے کے لئے کافی ہے یہ
اپنے ہی پیکر میں ہے غارت کا ساماں دیکھئے

خود بخود کھُل جائے گا بھرپور یا صدچاک ہے!
اپنا دامن دیکھئے' میرا گریباں دیکھئے

کیسے کیسے راز ہیں اپنے سمجھنے کے لئے
آئینہ در آئینہ پیدا و پنہاں دیکھئے

راستے بنتے چلے جائیں گے' چلنا شرط ہے
چار سُو پھیلا ہوا یہ دشتِ امکاں دیکھئے

کشفِ جاں سے عقدۂ تقدیر کھل کھل جائے گا
کیا سے کیا کرتی ہے یہ تدبیرِ انساں دیکھئے

آ ملا ہے دشتِ ہجراں سے شبستانِ وصال
دشت کے اس آئینے میں روئے جاناں دیکھئے

○

○

پہلے سینے میں مرے پیوست، پیکاں دیکھئے
اور پھر دل آئینے میں نوکِ مژگاں دیکھئے

میرا قاتل بھی وہی میرا مسیحا بھی وہی
اس کے ہی بس میں ہے اپنا دردودرماں دیکھئے

آدمی کو قتل کرنے کے لئے کافی ہے یہ
اپنے ہی پیکر میں ہے غارت کا ساماں دیکھئے

خود بخود کُھل جائے گا بھرپور یا صدچاک ہے!
اپنا دامن دیکھئے، میرا گریباں دیکھئے

کیسے کیسے راز ہیں اپنے سمجھنے کے لئے
آئینہ در آئینہ پیدا و پنہاں دیکھئے

راستے بنتے چلے جائیں گے، چلنا شرط ہے
چار سُو پھیلا ہوا یہ دشتِ امکاں دیکھئے

کشفِ جاں سے عقدۂ تقدیر کھل کھل جائے گا
کیا سے کیا کرتی ہے یہ تدبیرِ انساں دیکھئے

آ ملا ہے دشتِ ہجراں سے شبستانِ وصال
دشت کے اس آئینے میں روئے جاناں دیکھئے

○

○

ایسے زندانوں میں آتی ہے چمن کی خوشبو
جیسے ہر دیس میں یاد آئے وطن کی خوشبو
آج بھی دل کے اجالے میں ہے دونوں کا نکھار
روشنی سروِ چراغاں کی، سمن کی خوشبو
لاکھ پت جھڑ کا سماں بھی ہو مگر جانِ بہار
دل سے جاتی ہے کہاں تیری لگن کی خوشبو!
دامنِ کوہ سے جو گھوم کے آیا ہی نہیں
اس کو معلوم ہے کیا کوہ و دمن کی خوشبو
یوں تو خوشبو کے بہت رنگ بھی پہلو بھی بہت
اور ہے بادِصبا! تیرے چلن کی خوشبو
یوں تو فنکار کئی آئے گئے بھی لیکن
ہے کتابوں میں وہی حرف و سخن کی خوشبو
دیکھ سکتے نہیں محسوس ہی کر سکتے ہیں
دل کے زخموں کی چٹک اور دُکھن کی خوشبو
تلخیٔ کام و دہن اب تو مقدر ہے جمیلؔ
جانے کیا ہو گئی وہ کام و دہن کی خوشبو

○

○

دل میں ہے جو آباد چمن ٹوٹ رہا ہے
کیسی ہے تھکن سارا بدن ٹوٹ رہا ہے
تخریب میں تعمیر کی صورت بھی تو نکلے
یہ کیا کہ کہیں تن کہیں من ٹوٹ رہا ہے
اب پھول بھی پہلی سی وہ خوشبو نہیں دیتے
کیوں بادِصبا کا بھی چلن ٹوٹ رہا ہے
گوری کہاں پہلا سا ترے رقص کا انداز
پائل کا بھرم چھن چھنا نن ٹوٹ رہا ہے
سچائی کے اندر بھی ہے اک جھوٹ کی آواز
اس دور کا اندازِ سخن ٹوٹ رہا ہے
زندہ ہے جو ہر دور میں فنکار وہی ہے
کچا ہے جو پیمانۂ فن ٹوٹ رہا ہے
اللہ کرے ایسا کبھی وقت نہ آئے
جب میں یہ سنوں میرا وطن ٹوٹ رہا ہے
ہر سمت نئے لوگ' نیا خوں نئے چہرے
وہ سلسلۂ بزمِ کہن ٹوٹ رہا ہے
پاؤں میں تو زنجیرِ جمیلؔ اب بھی پڑی ہے
کب حلقۂ ہر دار و رسن ٹوٹ رہا ہے

○

○

میں قید ہوں گھر میں، روح مری صحرا میں بھٹکتی رہتی ہے
میں کون ہوں کیوں میرے سر پر تلوار لٹکتی رہتی ہے!
ہوں یوں تو گھور اندھیرے میں ہے کتنی دور سویرے میں!
اک آس کرن میرے دل میں ہر رات ہمکتی رہتی ہے
اُن کا جینا بھی جینا کیا' اُن کا مرنا بھی مرنا کیا!
اک پھانس سی جن کے سینے میں ہر آن کھٹکتی رہتی ہے
یہ موسم بھی کیا موسم ہے جو آ کے کبھی جاتا ہی نہیں
ہر شاخ کے سینے میں جیسے بھٹی سی دہکتی رہتی ہے
اک پھول اگر مرجھاتا ہے اک اور کلی کھل اٹھتی ہے
پتے بھی شاخ سے گرتے ہیں شبنم بھی چھلکتی رہتی ہے
اک بار ہی تجھ کو دیکھا تھا پھر ایک مسلسل دوری تھی
بجلی سی مگر اب تک میری آنکھوں میں چمکتی رہتی ہے
کیا پھول سا تیرا چہرہ تھا کیوں آنکھوں میں لہراتا ہے!
خوشبو خوشبو میں جادو ہے ہر سانس مہکتی رہتی ہے
مدت سے کوئی آیا نہ گیا پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے
چوڑی سی کھنکتی رہتی ہے پائل سی چھنکتی رہتی ہے
دکھ سکھ تو جمیلؔ ازل ہی سے انسان کے جیون ساتھی ہیں
دونوں کی وفا ہر سینے میں دل بن کے دھڑکتی رہتی ہے

○

○

کیسی بارش تھی جو زیرِ آسماں لکھی گئی!
میں کہاں کی موج تھی، آ کر کہاں لکھی گئی!
اُن درختوں کو بھی طغیانی بہا کر لے گئی
جن درختوں پر ہماری داستاں لکھی گئی
لہلہاتے کھیت پل بھر میں اجڑ کر رہ گئے
کتنی شدت سے بلائے ناگہاں لکھی گئی!
یوں لگا اُن کو کہ جیسے آسماں ہی گر پڑا!
آسماں کی چھت ہی جن کا سائباں لکھی گئی
جس طرف دیکھیں ادھر نوحہ کناں بربادیاں
روزِ اول کیسی تقدیرِ جہاں لکھی گئی!
کتنی صدیاں جا چکیں یہ ختم ہوتی ہی نہیں
جنگ کیسی خیر و شر کے درمیاں لکھی گئی!
ٹوٹ کر گر جائے گی اُس دن اندھیرے کی فصیل
خونِ دل سے جب اجالے کی زباں لکھی گئی

○

○

اپنی نظروں میں بھی شمار نہ ہو
آدمی اتنا بے وقار نہ ہو
گرد میں گرد ہو کے رہ جائے
کوئی ایسا بھی شہ سوار نہ ہو!
کیسے بے وقت راگنی چھیڑیں!
جب طبیعت ہی سازگار نہ ہو
کہہ تو دیں ہم کہ دل نہیں رکھتا
ہاں اگر سنگ میں شرار نہ ہو
اس کا جینا بھی کوئی جینا ہے
جس کے دل میں کسی کا پیار نہ ہو
تازگی سی ہوا میں کیونکر ہو!
راستے میں اگر بہار نہ ہو
بات وہ کیا جو دل میں گھر نہ کرے
نقش وہ کیا جو یادگار نہ ہو

○

○

زمین دور کہیں جیسے آسماں سے ملے
ترا خیال یونہی آئے میری جاں سے ملے
تو میرا گھر ہے، مرا دل ہے، میرا سب کچھ ہے
عجب سکون مجھے تیرے سائباں سے ملے
بہت حسین ہے پیرایۂ بیاں تیرا
کہاں یہ لطف کسی اور ہم زباں سے ملے!
اس اتّصال کی حد بھی تو ہو کوئی آخر
یہ آسمان کہاں جا کے خاکداں سے ملے!
ہم اپنے دل کے مقدر پہ کتنا رشک کریں!
تمہارے ہاتھ میں ہو تیر اور کماں سے ملے
کسی بھی شہر میں ملتی نہیں یہ جنسِ لطیف
خوشی خرید بھی لائیں اگر دکاں سے ملے
جو ایک عمر جمیلؔ اپنے ساتھ ساتھ رہی
ہمیں وہ لذتِ آوارگی کہاں سے ملے!

○

○

کیا زمیں سے آئے گا یا آسماں سے آئے گا
منتظر ہیں جس کے صدیوں سے کہاں سے آئے گا!
جس ستارے پر لکھی ہے میری چاہت' تیرا نام
وہ ستارا کس افق' کس کہکشاں سے آئے گا!
وہ صدف جو عمر بھر کے رت جگوں کا ہے ثمر
جوئے خونِ دل کہ بحرِ بیکراں سے آئے گا
اس جہاں میں تو نہیں جانِ کمال و آگہی
وہ کہاں رہتا ہے آخر' کس جہاں سے آئے گا!
کچھ نہیں اس پار پھیلے وسوسوں کی دھند میں
جس کو آنا ہے ہمارے درمیاں سے آئے گا
یہ ہماری داستاں ہے سن تو لو اے دوستو!
اک انوکھا ذائقہ دل داستاں سے آئے گا
لائے گا وہ آنے والے موسموں کی باس بھی
پھول جو گھر میں جمیلؔ اس گلستاں سے آئے گا

○

○

ایسے دھڑکن کی صدا آتی ہے
جیسے آوازِ خدا آتی ہے
کیسے اٹھکیلیاں کرتی ہے بہار!
کیا اسے تیری ادا آتی ہے!
تجھ کو چھو لوں تو مرے ہاتھوں سے
تیری خوشبوئے حِنا آتی ہے

ق

خار لاتی ہے چبھونے کے لئے
پھول راہوں میں لٹا آتی ہے
تو نہ آئے تو مرے دل میں بہار
کیسی بے برگ و نوا آتی ہے!
لوریاں دیتا ہے کوئی مجھ کو
جب دریچے سے ہوا آتی ہے
جب بھی میں گھر سے نکلتا ہوں جمیلؔ
ماں کے ہونٹوں پہ دعا آتی ہے

○

○

یہ کن تاریکیوں میں کھو گئے ہم
کہ اب دل کے بھی اندھے ہو گئے ہم

ذرا بھی ہاتھ سے جب ہاتھ چھوٹا
تو پھر اے دوستو، سمجھو گئے ہم

ذرا دیکھیں تو گہرائی ہے کتنی!
تماشا تم بھی دیکھو، لو گئے ہم!

نہ جانے کون سی آنکھوں سے ٹپکیں
محبت کے نگینے بو گئے ہم

بھلا پردیسیوں کا کیا ٹھکانہ
جہاں بھی نیند آئی سو گئے ہم

نہ آئی آخری منزل تو کیا غم!
چلو منزل بہ منزل تو گئے ہم

زمانے کے لئے بیٹھے بٹھائے
جمیلؔ آخر تماشا ہو گئے ہم

○

○

رہو گے تم بھی مری طرح سے سدا مسافر
دعا تھی یا دے گیا مجھے بد دعا مسافر!

ذرا سی ٹھوکر لگی تو آواز آئی تیری
کہیں پہ کیا چوٹ آئی ہے کیا ہوا مسافر!

جو تو نے آنگن میں جاتے جاتے جلا دیا تھا
تری ہی رہ دیکھتا ہے وہ اک دیا مسافر

تو جس کی خاطر ہزار صدیوں سے چل رہا ہے
ہوا ہے کیا اس کا بھی کبھی سامنا مسافر!

وہ گل کھلاتا ہوا یہاں سے وہاں سے گزرا
رواں رہے گا مثالِ بادِ صبا مسافر

کہ تو ہواؤں کے ساتھ خود بھی ہوا ہوا ہے
مجھے ہواؤں نے آج یہ کیا کہا مسافر!

سبھی مسافر تری ہی راہوں پہ چل رہے ہیں
چراغِ جاں ہے ترا ہر اک نقشِ پا مسافر

رہے گا زندہ سبھی زمانوں کی دھڑکنوں میں
وہ دوست سب کا، ہر ایک کا آشنا مسافر

مسافرت میں تو ہر رسائی ہے رہنمائی
جو خود مسافر تھا، بن گیا رہنما مسافر

یہ میں، یہ تو کیا! ہر ایک شے ہے مسافرت میں
یہ ماہ و خورشید کا حسیں سلسلہ مسافر

وہ آج بھی تجھ کو یاد کرتا ہے جی رہا ہے
جمیلؔ تیرا وہی ترا خوشنوا مسافر

○

○

سبھی یہ آ کے سناتے ہیں، لاجواب ہے وہ
سنی سنائی ہوئی بات پر یقیں کیسا!

○

○

ہم نے تو دے دیا تھا تجھے دل نکال کے
تو نے مگر یہ دل بھی نہ رکھا سنبھال کے
کلیاں ہیں پھول بن کے مہکنے کی منتظر
رکھا کہاں ہے تو نے تبسم سنبھال کے!
چہرے بدل بدل کے تو آتا ہے سامنے
پیشِ نظر سراب ہیں کتنے وصال کے!
ہوتے رہے ہیں آپ ہی طے سارے مرحلے
بنتے رہے ہیں دائرے حسنِ خیال کے
تخلیقِ کائنات کے اسرار کیا کھلیں!
کتنے ہی سلسلے ہیں جواب و سوال کے!
آندھی چلی تو کوئی کہاں ہے کوئی کہاں!
پنچھی تھے ورنہ ہم بھی سبھی ایک ڈال کے
پامالیٔ بہار ہی جن کا مزاج ہے
چلتے ہیں ایسے لوگ کہاں دیکھ بھال کے
مارے گئے ہیں ہم شبِ عہدِ زوال میں
ورنہ ہم آدمی تھے بڑے ہی کمال کے
تو ایک ہے مگر ترا پرتو کہاں کہاں!
کتنے جمیل رنگ ہیں تیرے جمال کے!

○

○

غیر محدود آگہی کا سفر
زندگی ایک روشنی کا سفر
چاند کے ساتھ چل کے بھی دیکھیں
چاند کا اور چاندنی کا سفر
دوستی کے شجر لگاتا ہے
سایہ سایہ ہے دوستی کا سفر
پھول بن کر مہکتا رہتا ہے
شاخِ گل پر کلی کلی کا سفر
رقصِ بادِ صبا ہے یوں جیسے
ہر سحر ایک تازگی کا سفر
حسن کا یہ خرامِ دل آویز
شاعری کا، مصوری کا سفر
مختصر ہی سہی، مگر کتنا
رنگ در رنگ آدمی کا سفر!
اک نئی زندگی جنم دے کر
ختم ہوتا ہے زندگی کا سفر
شاعری، کائناتِ فکر جمیلؔ
اور اسلوبِ نغمگی کا سفر

○

○

سب یہاں اپنی ہی لہر میں اجنبی اجنبی
ہر کوئی ہے ترے شہر میں اجنبی اجنبی
حسن تیرا سبھاؤ میں ہے اس کو بھولا نہ کر
کتنا لگتا ہے تو قہر میں' اجنبی اجنبی!
دھوپ سر پر بہت تیز ہے کوئی سایہ نہیں
اور ہم غم کی دوپہر میں اجنبی اجنبی
زہر میں ذائقہ پیار کا تھا کبھی شہد سا
اب کوئی چیز ہے زہر میں اجنبی اجنبی
بحرِ ہستی ہے یہ' بحرِ ہستی میں کیا کچھ نہیں!
ہے بہت کچھ مگر بحر میں اجنبی اجنبی
ہم پرانے شناور ہیں کیا وہ نہیں جانتا!
پھر بھی ہے بحر ہر لہر میں اجنبی اجنبی
آؤ مل کے جمیلؔ اس سے ہم آشنائی کریں
یونہی کب تک رہیں دہر میں اجنبی اجنبی!

○

○

نئے نویلے خوابوں کی تعبیروں میں کھو جاؤں
تو میرا ہو جائے پیارے میں تیرا ہو جاؤں
تجھ کو ملنے سے پہلے شفاف آئینہ کر لوں
تو پاکیزہ' اپنے میلے داغ یہیں دھو جاؤں
میں تو محبت کا بھوکا ہوں تو اپنی محفل میں
پیار سے میرا ہاتھ پکڑ کر لے جائے تو جاؤں
گھر کے اندر باہر شور ہے کتنی آوازوں کا!
اتنی گہری خاموشی ہو' چین سے میں سو جاؤں
یوں لگتا ہے جیسے قبرستان میں آ نکلا ہوں
کس کس کا میں ماتم کر لوں کس کس کو رو جاؤں!
ابد ابد شاداب جو رکھے آنے والے کل کو
خون پسینے سے اک ایسی کھیتی میں بو جاؤں
گھر میں جو راحت ملتی ہے اور جمیلؔ کہاں ہے
صدیوں کا بھولا بھٹکا ہوں اپنے گھر کو جاؤں

○

○

اسے امرت سمجھ کر جی رہا ہوں
میں یہ زہرابِ ہستی پی رہا ہوں

بہاروں نے کیا صد چاک مجھ کو
سو کانٹوں سے گریباں سی رہا ہوں

زمانہ ہی نہ دیکھے تو کروں کیا!
زمانے سے کہاں مخفی رہا ہوں!

مرے چہرے کی تابانی سے پوچھو
دو عالم میں فروزاں بھی رہا ہوں

یہ دائم رونقیں ہیں کم نہ ہوں گی
کہ میں ہر دل کی آبادی رہا ہوں

ابد تک پھیلتی جائے گی خوشبو
صبا کا میں بھی ہم جولی رہا ہوں

جمیلؔ اپنی محبت زندگی ہے
میں زندہ ہوں ابھی تک جی رہا ہوں

دکھوں کے موسموں میں جی رہا ہوں
میں تیرا ہمنوا پھر بھی رہا ہوں

تجھے بھولا نہیں غم میں خوشی میں
بہر عنواں ترا ساتھی رہا ہوں

کہیں رازِ محبت کھل نہ جائے
لہو کو پیٔ لبوں کو سی رہا ہوں

دعاؤں میں جمیلؔ اتنا اثر ہے
دعاؤں کے سہارے جی رہا ہوں

○

○

منتظر کتنے خزینے ہیں وہاں
چاند ہے خواب نگر! جانتے ہیں

○

○

کیوں میں جامِ جہاں نما دیکھوں!
تجھ کو دیکھا ہے اور کیا دیکھوں!
تو ہی پہچان میرے ہونے کی
تجھ کو دیکھوں کہ آئینہ دیکھوں
جس میں تو خواب بن کے رہتا ہے
کیسی ہوتی ہے وہ فضا' دیکھوں
یاد آئے خرامِ ابر و ہوا
جب بھی تیرے نقوشِ پا دیکھوں
پھول دیکھوں تو یوں لگے مجھ کو
جیسے میں پیکرِ صبا دیکھوں
ڈوب جاؤں جمالِ فطرت میں
کبھی خوشبو کبھی ہوا دیکھوں
اپنے خوں کے ہر ایک قطرے میں
میں تری سرخیٔ حیا دیکھوں
ڈوبتا ہوں کہ پار اترتا ہوں
دل کی لہروں کو آزما دیکھوں
کیا خبر تو کہیں سے آ جائے
اپنے دل کا دیا جلا دیکھوں

جس کی ہر دل پہ حکمرانی ہے
وہ ترا حسن وہ ادا دیکھوں
دیکھنے میں تو خوبصورت ہے
دل کا کیسا ہے دل میں جا دیکھوں
ایسا لگتا ہے میں کہیں بھی نہیں
خود کو تجھ سے اگر جدا دیکھوں
پھر بھی جی بھر کے کیوں نہ دیکھ سکوں
یوں تو میں تجھ کو بارہا دیکھوں
جتنا تیرے قریب ہو جاؤں
اور بھی تجھ کو نارسا دیکھوں
دیکھ کر بھی تجھے وہی ہے سوال
کیسے تجھ کو مرے خدا دیکھوں!
تجھ کو دیکھا ہے جتنے رنگوں میں
سب کا حیرت کدہ بنا دیکھوں
ما و تو کا یہ فاصلہ کیسا!
یہ بھی پردہ کبھی اٹھا دیکھوں
وہ بصیرت ملے جمیلؔ مجھے
آسماں سے بھی ماورا دیکھوں

○

○

دلکشا ہے دلربا ہے، زندگی اے زندگی!
ہم سے کیوں اتنی خفا ہے، زندگی اے زندگی!
یوں تو اپنی دھڑکنوں میں نام سنتا ہوں ترا
پھر بھی کتنی نارسا ہے زندگی اے زندگی!
ہر جہاں پر ہر زماں پر کارفرمائی تری
میرے اپنے پاس کیا ہے، زندگی اے زندگی!
کب سے ہنگامہ بپا ہے زندگی اور موت کا
کیا فنا ہے، کیا بقا ہے، زندگی اے زندگی!
کس نے یہ گھاؤ لگائے تیرے جسم و جان پر
کس قدر خونیں قبا ہے زندگی اے زندگی!
سوچتا رہتا ہوں میں اکثر ترے ہوتے ہوئے
موت کا کیوں سامنا ہے زندگی اے زندگی!
عمر بھر کی یہ رفاقت پھر جدائی، کچھ بتا
اس قدر کیوں بے وفا ہے، زندگی اے زندگی!
یوں تو کیا کیا معجزے سارے زمانوں میں ہوئے
تو مسلسل معجزہ ہے، زندگی اے زندگی!
زندہ و پائندہ ہے تیری اداؤں سے جمیلؔ
تو مگر کس کی ادا ہے، زندگی اے زندگی!

○

○

وہ کون تھا کیوں اس نے چرائیں مری شامیں!
خود لوٹ کے آیا ہے نہ آئیں مری شامیں

ہر صبح کو جو پار کیا خون کا دریا
ہر شام اسی خوں میں نہائیں مری شامیں

تاروں نے بھرم کھول دیا نیتِ شب کا
کیوں رات نے مجھ سے بھی چھپائیں مری شامیں!

تو میری ہر اک شام کے تارے کی طرح تھا
پھر تو نے بھلا کیسے بھلائیں مری شامیں!

میں بھی تری آنکھوں ہی کا سرمہ تو نہیں تھا!
کاجل کی طرح تو نے بہائیں مری شامیں

ویران دھندلکوں کے سوا کیا تھا مرے پاس
پھر بھی تری یادوں نے سجائیں مری شامیں

جب بجھ گئی ہر شام تو لو اور ہوئی تیز
لوگوں نے چراغوں میں جلائیں مری شامیں

پھر دور سے آئی مرے سورج کی سواری
پھر شوق نے رستے میں بچھائیں مری شامیں

میں رات کا راہی تھا اجالا تھا سحر کا
یاروں نے مرے بعد منائیں مری شامیں

○

○

دونوں کا جرم کیا ہے، سزاوار کون ہے!
میں ہوں کہ تو ہے، آج سرِ دار کون ہے!
یوں تو لگا ہے مصر کا بازار آج بھی
لیکن ہمارے دل کا خریدار کون ہے!
سب لوگ پوچھتے ہیں کہ جانا کدھر کو ہے!
اس قافلے کا قافلہ سالار کون ہے!
جا بھی چکا ہے پھر بھی مجسم سوال ہے
وہ پوچھتا ہے، راہ میں دیوار کون ہے!
پرچم ہیں سب کے ہاتھ میں اپنی صداؤں کے
باہر ہے کون، بر سرِ دربار کون ہے!
پرسش نہیں ہے روح کے آزار کا علاج
یہ بھی تو دیکھ باعثِ آزار کون ہے!
کس نے مجھے شعور دیا تھا گناہ کا
اس حادثے میں اور گنہ گار کون ہے!
ملتے ہیں سب اِسی سے خدائی کے سلسلے
بیدار دل سا واقفِ اسرار کون ہے!
اس آئینے میں عکس ہے تیرے جمال کا
لیکن جمیلؔ آئینہ بردار کون ہے!

○

○

اور ہیں کچھ خواب لیکن زندگی کچھ اور ہے
جس سے روشن ہو جہاں وہ آگہی کچھ اور ہے
ہم ملائم تیرگی میں تابکے سوئے رہیں!
تیرگی پھر تیرگی ہے روشنی کچھ اور ہے
ہم کو اُس کی سرگرانی کچھ سمجھ آتی نہیں
اور ہے کچھ دل کے اندر، بے رخی کچھ اور ہے
تو اگر دشمن ہے میرا کھُل کے آ جا سامنے
دوستی کی چھوڑ باتیں، دوستی کچھ اور ہے
ایک میں جی کا زیاں ہے ایک میں ہے جاں کا سود
دلربائی اور شے ہے، دل لگی کچھ اور ہے
یوں تو ان تازہ گلوں کی دلکشی بھی کم نہیں
پھول سے چہروں کی روشن تازگی کچھ اور ہے
تیرے آنے کی خوشی ہے یا ترے جانے کا غم
دل کی دھڑکن اور ہے کچھ، بے کلی کچھ اور ہے
کیا خبر تم ساتھ اس کے چل سکو گے یا نہیں
آنے والی زندگی کی دوڑ ہی کچھ اور ہے
روز کا ہنسنا ہنسانا، زندگی کا مشغلہ
جس میں ہو زندہ دلی وہ زندگی کچھ اور ہے

○

○

تجھ سے بچھڑ کے بھی ترے پاس رہا کروں گا میں
دل سے بھی جو نہ کہہ سکا' تجھ سے کہا کروں گا میں
گزرے ہیں ہم پہ ایک سے راہِ وفا کے مرحلے
اپنی سبھی کہانیاں تجھ سے سنا کروں گا میں
تیرے بغیر زندگی' زرد' ملول روشنی
تیرے بغیر زندگی لے کے بھی کیا کروں گا میں!
اے مرے دن کی روشنی! اے مرے شب کی چاندنی!
تو بڑی بے وفا سہی' تجھ سے وفا کروں گا میں
ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہے' صدیوں سے تیرا ساتھ ہے
روح کو اپنے جسم سے کیسے جدا کروں گا میں!
ہدیۂ دل تو کر دیا' پیشِ نگارِ گل' ادا
جو میں ادا نہ کر سکا' وہ بھی ادا کروں گا میں
تجھ سے فقط شگفتِ گل' اس کا چمن جہانِ گُل
اس سے بھی تیرا تذکرہ' بادِ صبا کروں گا میں

○

○

گفتگو تیرے ساتھ اپنی ہے
رات اپنی ہے بات اپنی ہے
چاند تارے ہیں سب شریکِ سفر
عاشقوں کی برات اپنی ہے
ہم نہیں دوستو تہی دامن
دولتِ شش جہات اپنی ہے
تم اگر میرے ساتھ ساتھ چلو
وسعتِ کائنات اپنی ہے
اس دوئی میں بھی کتنی وحدت ہے!
تو مخاطب ہے ذات اپنی ہے
یوں تو یارو ہزار باتیں ہیں
ان میں اک خاص بات اپنی ہے
کوئی آئینہء ثبات جمیلؔ
زندگی بے ثبات اپنی ہے

○

○

چاہت کا دم بھرنے والے کتنے ہیں!
لیکن چاہت کرنے والے کتنے ہیں!
جن زخموں کا مرہم صرف محبت ہے
ان زخموں کو بھرنے والے کتنے ہیں!
گلیوں گلیوں کون سمیٹے گا ان کو
خواب گلاب بکھرنے والے کتنے ہیں!
سب کے ہاتھ میں کانٹے کڑی کمانوں سے
پیار کے ہار نکھرنے والے کتنے ہیں!
صبح کی صورت شبنم کے آئینے میں
روپ سروپ سنورنے والے کتنے ہیں!
سب اترے ہیں وقت کے زرد سمندر میں
لیکن پار اترنے والے کتنے ہیں!
ذات کے اندر بھی تو ایک خدائی ہے
اس کا دعوی کرنے والے کتنے ہیں!
سچ کی بات تو کرتے ہیں سب لوگ جمیلؔ
سچ کی خاطر مرنے والے کتنے ہیں!

○

○

جاتے جاتے ہوئے وہ دل میں کسک چھوڑ گئی
فصلِ گل جیسے گئی اور مہک چھوڑ گئی
ایک پل کے لئے چمکی تھی وہ بجلی کی طرح
پر ہمیشہ کے لئے اپنی چمک چھوڑ گئی
بے وفا وہ تھی کہ میں' یہ تو سمجھ آ نہ سکا
میرے سینے میں وہ کانٹے کی کھٹک چھوڑ گئی
بات کرنے کا بھی انداز عجب تھا اس کا
خود تو چپ ہو گئی لہجے کی لہک چھوڑ گئی
وہ بھی کیا دن تھے کہ پہروں میں سنا کرتا تھا
اپنی آواز میں غنچوں کی چٹک چھوڑ گئی
پھول کھلتے ہی رہیں گے تری چاہت کے سدا
یاد شاخوں میں وہ نرمی وہ لچک چھوڑ گئی
یوں تو برسات کو جانا تھا ترے ساتھ مگر
آسماں پر تری باتوں کی دھنک چھوڑ گئی
اس طرح سامنے آئی وہ اچانک کہ جمیلؔ
کور آنکھوں میں بھی کوندے کی لپک چھوڑ گئی

○

○

مری بکھری ہوئی چیزوں میں کیا کیا دیکھتا ہے وہ!
مجھے کب دیکھتا ہے، گھر کا نقشہ دیکھتا ہے وہ
کبھی تو اس طرح بھی بے محابا دیکھتا ہے وہ
مرے چہرے پہ جیسے عکس اپنا دیکھتا ہے وہ
نظر آتا ہے اُس کو ساتھ ہی اک اور چہرہ بھی
کبھی جب آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے وہ
نہ دروازے پہ دستک ہے، نہ آنگن میں صدا کوئی
چلا آتا ہے جب بھی مجھ کو تنہا دیکھتا ہے وہ
نہ جانے ڈھونڈتا رہتا ہے تنہائی میں کس کس کو!
وہ گھر میں ہے مگر ایک ایک کمرہ دیکھتا ہے وہ
کسی بھی دور میں تعبیر ملتی ہی نہیں اُس کو
ہر اک عمرِ رواں میں خواب کیسا دیکھتا ہے وہ
جمیلؔ اس کا سراپا ہے اگر خود پیشِ آئینہ
پسِ آئینہ پھر کس کا سراپا دیکھتا ہے وہ!

○

○

تمہارے چاہنے والوں میں میرا نام بھی ہو گا
جہاں سب کامراں ہوں گے وہاں ناکام بھی ہو گا
تم اپنے نیک ناموں سے ذرا ہٹ کر بھی دیکھو تو
تمہیں جو دل سے پیارا ہے وہی بدنام بھی ہو گا
کہاں ہیں یاد تجھ کو وہ پرانے گھاؤ سینے کے!
ابھی تو تیرے ترکش میں نیا الزام بھی ہو گا
سخن کے لاکھ پیرائے مگر ایک ایک سے بڑھ کر
تری تہہ دار باتوں میں اچھوتا دام بھی ہو گا
رواں ہیں اپنے سورج کی حدیں دونوں کناروں تک
نقیبِ صبح ہے جو وہ سفیرِ شام بھی ہو گا
جبھی تو ہم دعائیں مانگتے ہیں بے قراری کی
کہ دل کی بے قراری میں بڑا آرام بھی ہو گا
جمیؔل اول میں ہی سب کھل گئے ہیں بھید آخر کے
محبت میں نہ تھا معلوم، یہ انجام بھی ہو گا

○

○

تو اگر مہرباں مل جائے
مجھ کو سارا جہان مل جائے

حرف و لب ہم نوا نہیں نہ سہی
آنسوؤں کو زبان مل جائے

گھر تری یاد سے کروں آباد
دل سا اجلا مکان مل جائے

میں محبت کے تخت پر بیٹھوں
پھر وہی آن بان مل جائے

جس سے آئے زمین کی خوشبو
مجھ کو وہ آسمان مل جائے

خواب لگتی ہے ہر حقیقت بھی
جب یقیں کو گمان مل جائے

یوں ہی کب تک رہوں گا آوارہ
پھر کوئی داستان مل جائے

جا بھی لگتا ہے وہ نشانے پر
تیر کو جب کمان مل جائے

ایسے بیٹھا ہوں تیرے پہلو میں
جیسے دل کو زبان مل جائے

قافلہ بے جہت نہ رہ جائے
نغمۂ ساربان مل جائے

نقش پائے جمیلؔ یوں چمکیں
منزلوں کا نشان مل جائے

○

○

اب ضرورت ہی کیا تھی پرسش کی!
کس لئے اس قدر نوازش کی!

دوستوں کے ہیں طور بدلے ہوئے
کیا کوئی دشمنوں نے سازش کی!

سارے زخموں کے کھل گئے ٹانکے
اس نے کچھ اس ادا سے پرسش کی

ٹھوکریں کھا رہے ہیں صدیوں سے
یہ سزا ہے بس ایک لغزش کی

کون جانے کہاں برس جائے!
پیش گوئی ہے آج بارش کی

ہلکی ہلکی نمی ہے آنکھوں میں
پھر تری یاد نے تراوش کی

تو نے ہولے سے کیا کہا مجھ کو
سانس بھی رک گئی ہے گردش کی

پھول گلشن میں کِھل گئے کیا کیا!
تیرے ہونٹوں نے ایک جنبش کی

تیز نظروں کی دھار تھی ایسی
کٹ گئی ڈور ساری رنجش کی

کچھ تو موسم کا بھی تقاضا تھا
کچھ محبت نے بھی سفارش کی

لفظ سارے چمک اٹھے ہیں جمیؔل
جوت دل کی ہے یا نگارش کی!

○

○

ہر سچ کو یہی ڈبو گیا ہے
ہر جھوٹ پہ واہ واہ کرنا

○

○

یوں وہ میرے قریب سے گزرا
جیسے بادِ نسیم کا جھونکا
ایک سے ایک چاند سا چہرہ
سارا ایوان جگمگا اٹھا
دل ازل سے فریب خوردہ ہے
زندگی بھی ہے کیا حسیں دھوکا
وہ شناور بھی کیا شناور ہے
دل کے دریا میں جو نہیں اترا
شمع پر جل رہے تھے پروانے
میں بھی تیرے قریب جا بیٹھا
آج کیا بات ہو گئی ایسی!
تو نے میری طرف نہیں دیکھا
یاد کی جھیل تھی تہی آغوش
کس نے کنکر جمیلؔ پھینک دیا!

○

○

ہماری راہ سے یہ آہنی دیوار ہٹ جائے
اگر صدیوں پرانی پاؤں کی زنجیر کٹ جائے
کنارا بحر کا جب دور سے آتا دکھائی دے
کہیں ایسا نہ ہو یارو وہیں کشتی الٹ جائے!
نہ یوں ابھرے نہ یوں ڈوبے کبھی خورشیدِ جاں جیسے
مسافر گھر سے نکلے اور رستے سے پلٹ جائے
کبھی جب بادِ صرصر کا چمن سے قافلہ گزرے
تو چھوئی موئی بن کر میرے پہلو میں سمٹ جائے
ہوا میں تیری زلفوں کی نہیں بارود کی بو ہے
گھٹا چاروں طرف سے چھا رہی ہے کاش چھٹ جائے
اگر میں بھول کر بھی گھر کا رستہ چھوڑنا چاہوں
وطن کی خاک بڑھ کر میرے قدموں سے لپٹ جائے
نکل آئے ہر اک ذرے سے لو دیتا ہوا سورج
جمیلؔ اپنے بدن کی خاک جب ذروں میں بٹ جائے

○

○

ہنستے بستے شہروں میں بھی تن تنہا رہ جاؤں
آئیں اور اڑ جائیں بادل میں پیاسا رہ جاؤں
ٹھنڈے میٹھے چشموں سے سب اپنی پیاس بجھائیں
میرے اندر ایک الاؤ میں جلتا رہ جاؤں
تیرا نرم دھنک سا آنچل، میرے ہاتھ نہ آئے
تو رنگوں میں گم ہو جائے میں تکتا رہ جاؤں
ساری رات ترے چہرے پر شبنم شبنم ٹپکوں
پو پھوٹے تو ایک چمکتا آویزہ رہ جاؤں
تنہائی میں پل پل گھٹتا جاؤں چاند کی صورت
تیرا پیار وصال نہ ہو تو کیا سے کیا رہ جاؤں!
سوچ رہا ہوں کیا جیون کا آخر انت یہی ہے!
پھوڑے جیسا جسم ہو سارا میں دُکھتا رہ جاؤں!
وقت مچھیرا لمحہ لمحہ کیا کیا جال بچھائے!
اور جمیلؔ میں اک اک دھاگے میں الجھا رہ جاؤں

○

○

کرچیوں میں نہ بکھیرو مجھ کو
ریزہ ریزہ ہوں سمیٹو مجھ کو
میں تمہارا ہی تو آئینہ ہوں
اتنی حیرت سے نہ دیکھو مجھ کو
پیار سے اور نکھر جاؤں گا
نت نئے طور سے چاہو مجھ کو
میں بھی ہوں ایک عجائب خانہ
صرف باہر سے نہ دیکھو مجھ کو
منزلیں راستہ تکتی ہیں مرا
مجھ کو جانے دو، نہ روکو مجھ کو
راکھ ہو جائے نہ کندن سا بدن
سانچ کی آنچ پہ پرکھو مجھ کو
میں بھی اک عقدۂ مشکل ہوں جمیلؔ
اتنا آسان نہ سمجھو مجھ کو

○

○

تنہائی کے خود ساختہ خوابوں سے نکل آ
دنیا بھی ذرا دیکھ عذابوں سے نکل آ
سورج کی طرح میں بھی نکلتا ہوں افق سے
خوشبو کی طرح تو بھی گلابوں سے نکل آ
تو علم سمندر میں کہیں ڈوب نہ جائے
خود کو بھی تو پہچان کتابوں سے نکل آ
کھلتے ہیں رہائی سے ہی سب راز جہاں کے
مانندِ ہوا تو بھی حبابوں سے نکل آ
خوشبو کی طرح پھیل خیابانِ جہاں میں
اجڑی ہوئی بستی کے خرابوں سے نکل آ
ہم کو تو بلاتا ہے پسِ پردۂ افلاک
خود بھی تو کبھی اپنے حجابوں سے نکل آ
خوابوں کے سرابوں سے کبھی پیاس بجھی ہے!
کھول آنکھ جمیلؔ اور سرابوں سے نکل آ

○

○

مرتی نہیں دھڑکتے ہوئے دل کی آرزو
صدیوں سے اپنے ساتھ ہے منزل کی آرزو

یہ چاہتا ہے چاہنے والا ملے اسے
یونہی نہیں ہے دل کو کسی دل کی آرزو!

رکھتا ہے سر پہ دستِ مسیحائی بھی وہی
دل کو اِسی لئے تو ہے قاتل کی آرزو

تو سامنے نہ ہو تو مخاطب کسے کریں
آئینے کو رہی ہے مقابل کی آرزو

یہ زندگی تڑپنے' پھڑکنے کا نام ہے
بسمل ہے جو اُسی کو ہے بسمل کی آرزو

گہرے سمندروں میں کوئی لے گیا اُسے
کشتی کے دل میں رہ گئی ساحل کی آرزو

لگتا ہے یوں جمیلؔ خزانہ ہے آس پاس
لاحاصلی میں بھی ہے جو حاصل کی آرزو

○

○

جو سبق تو نے دیا ہے وہ کتابوں میں نہیں
تیری خوشبوئے بدن سارے گلابوں میں نہیں

تیری چاہت سے جو عرفان ہوا ہے دل کو
اتنی لذت تو مرے سارے ثوابوں میں نہیں

کبھی خوشبو' کبھی بادل کی طرح میری اڑان
مرا بے ساختہ پن تیرے حجابوں میں نہیں

مجھ سے جو دور ہے وہ خواب میں کیوں آتا ہے!
جو مرے پاس ہے وہ کیوں مرے خوابوں میں نہیں!

خواب پھر خواب ہیں چھو لیں تو بکھر جاتے ہیں
عشق دریاؤں کی تاثیر سرابوں میں نہیں

پے بہ پے ایک عجب عالمِ سرشاری ہے
فن میں مستی ہے کچھ ایسی کہ شرابوں میں نہیں

عمر گزری ہے مری شہر کے لوگوں میں جمیلؔ
بستیوں میں جو کشش ہے وہ خرابوں میں نہیں

○

○

کسی طرف سے بھی ابھرا نہیں مرا مہِ نو
تمام رات تھرکتی رہی چراغ کی لو
بجھے چراغ دلوں کے جلا گئی کتنے
ترے خیال کی حدت، ترے جمال کی ضو
مہ و ستارہ کہاں جا کے منہ چھپائیں گے!
کبھی جو ہم پہ پڑا تیرے حسن کا پرتو!
زمانے بھر میں کہیں بھی نہیں جواب ان کا
یہ لوک گیت ہیں میرے کہ پھول ہیں خود رو!
نکل رہا ہے اُدھر آفتاب بھی لیکن
اِدھر بھی پھوٹ رہی ہے تمہارے حسن کی پو
نمودِ صبح کے آگے بھی منزلیں ہیں بہت
ہوا ذرا سا اجالا بھٹک گئے رہرو
جمیلؔ ان کو بھی دعوے ہیں حکمرانی کے
جو کر سکے نہ کبھی امتیازِ گندم و جو

○

○

کسی نے بات ہی پوچھی نہ بے زبانوں کی
تمام شہر میں بارش ہے تازیانوں کی
نہ روشنی نہ ہوا، تو کہاں ہے میرے خدا!
کبھی تو ختم ہو یہ رات ان مکانوں کی
ہوئی ہے دور کچھ اتنی قریب کی آواز
کہ جیسے کوئی کہانی گئے زمانوں کی
اسی لئے تو کسی کا گلہ نہیں کرتے
نوازشیں ہیں بہت ہم پہ مہربانوں کی
پسند آئے گی کیسے تنک مزاجوں کو
بڑی ہی تلخ حکایت ہے سخت جانوں کی
وہ اپنی اپنی مچانوں میں آ کے بیٹھ گئے
کہ آہٹیں ہیں مرے شیر دل جوانوں کی!
نہیں یہ آگ کا دریا تمہارے بس میں نہیں
زبان کھینچ لو آتش فشاں دہانوں کی
یہ گھنٹیاں سی بجاتا ہے کون خوابوں میں!
یہ دھڑکنیں ہیں کہ آواز ساربانوں کی!
جمیلؔ انہی پہ یقینوں کے پھل بھی آئیں گے
ہری بھری ہیں یہ فصلیں مرے گمانوں کی

○

○

اندر شور ہے باہر شور
کوئی تو پکڑے دل کا چور

کچھ جذبے شہ زور بہت
کچھ طوفاں بھی ہیں منہ زور

دھوپ کے سب دروازے بند
چاروں اور گھٹا گھنگھور

دل صحرا جل تھل جل تھل
گھر گھر میں برکھا کا شور

اپنا من ہے پیار کا بن
گھر آنگن میں ناچے مور

میری دھنک میں تیرے رنگ
تیرے ہاتھ میں میری ڈور

سورج ٹیکہ ماتھے پر
گھر میں آئی کیسی بھور!

ایسی پگڈنڈی جیون
جس کی کوئی اور نہ چھور

لافانی دل کا بندھن
باقی سب شیشے کمزور

○

○

یہاں دن کھلتے ہیں رت جگے بیتاب رہتے ہیں
انہی گلیوں میں پیارے تیرے میرے خواب رہتے ہیں
تری یادیں ہیں میری روح میں بہتے ہوئے جھرنے
انہی یادوں سے میرے رات دن سیراب رہتے ہیں
جنہیں چاہت نے سینچا ہو وہ گل مرجھا نہیں سکتے
کوئی موسم ہو یہ دل کے چمن سیراب رہتے ہیں
چراغوں کی طرح جلتے ہیں، اندر سے پگھلتے ہیں
ستاروں کی طرح ہم بھی مگر شب تاب رہتے ہیں
یہاں تو ڈوبنا بھی ہے کنارے پر اتر جانا
یہ دریا عشق دریا ہیں سدا پایاب رہتے ہیں
میں اپنے چاہنے والوں کو کیسے بھول سکتا ہوں!
نظر سے دور ہیں دل میں مگر احباب رہتے ہیں
جمیؔل اکثر اترتے ہیں مرے دل کی منڈیروں پر
وہ ان دیکھے پرندے جو بہت نایاب رہتے ہیں

○

○

جو گل بے موت مرتے جا رہے ہیں
چمن تخلیق کرتے جا رہے ہیں
جو باہر سے ستوں بن کر کھڑے ہیں
وہ اندر سے بکھرتے جا رہے ہیں
خزاں چہروں پہ کِھلتی جا رہی ہے
عجب ڈھب سے نکھرتے جا رہے ہیں
یہ کیسا دور ہے آسیب صورت
نڈر تھے جو وہ ڈرتے جا رہے ہیں
چمن میں کچھ ہوا ایسی چلی ہے
پرندے کوچ کرتے جا رہے ہیں
بنیں گے راستے اب پانیوں میں
چڑھے دریا اترتے جا رہے ہیں
جمیلؔ آگے یہ کیسا مرحلہ ہے
کہ چل چل کر ٹھہرتے جا رہے ہیں!

○

○

نشے میں اس قدر تھا وہ سرشار گر گیا
اِتنا جھکا کہ برسرِ دربار گر گیا

دیوار بھی پھر اس کا سہارا نہ بن سکی
جو بھی مثالِ سایۂ دیوار گر گیا

گل چیں کی دست برد سے کیسے بچیں گے پھول
پھر کیا کرو گے شاخ سے جب خار گر گیا

مٹی میں جا ملیں گے ستارے، چراغ، پھول
آنکھوں سے موتیوں کا اگر ہار گر گیا

جس کی جڑیں ہیں آج بھی اپنے وجود میں
کیوں اپنی عظمتوں کا وہ مینار گر گیا

اپنے لہو میں ڈوب گئی سوگوار شام
جب دور افق میں پیکرِ انوار گر گیا

افتادِ زندگی تو ہے بنیادِ زندگی
یہ مت کہو کہ قافلہ سالار گر گیا

یوں تو ہر ایک چیز کی بہتات ہو گئی
لیکن ہر ایک چیز کا معیار گر گیا

سورج نے یوں ابھر کے الٹ دی بساطِ شب
کتنے سروں کا طرۂ دستار گر گیا!

آئے نہ میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ اس طرف
جب سے جمیلؔ عشق کا بازار گر گیا

کیسی خبر تھی آج کے اخبار میں جمیلؔ
دیکھا جسے تو ہاتھ سے اخبار گر گیا

○

○

میرے ہونے ہی سے تصدیق تمہاری ہو گی
اور کچھ دیر مجھے اپنے گماں میں رکھو

○

○

جو ان بند آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
کھلی آنکھ والے بھی کم دیکھتے ہیں

عدم نے جگایا ہے سوئے ہوؤں کو
جو جاگے ہیں خوابِ عدم دیکھتے ہیں

کسی نے نہ سوچا کسی نے نہ دیکھا
جو ہم سوچتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

جو تم نے کہا تھا جو ہم نے سنا تھا
اسے اپنے دل پر رقم دیکھتے ہیں

کسی آنکھ سے ایک آنسو بھی ٹپکے
تو ہم دل کی مٹی کو نم دیکھتے ہیں

کہیں سے تری مخملیں چاپ آئے
تجھے کُوبکُو، دم بدم دیکھتے ہیں

چلو آنسوؤں میں ذرا کھلکھلائیں
چلو برق و باراں بہم دیکھتے ہیں

یہی چاند تھا اپنے خوابوں کا مسکن
یہی آج زیرِ قدم دیکھتے ہیں

یہ سر کیا کسی اور در پر جھکے گا
مگر ماں کے قدموں میں خم دیکھتے ہیں

مصور ہے تو، ہم ہیں تصویر تیری
ہمیں دیکھ تو، تجھ کو ہم دیکھتے ہیں

جمیلؔ اپنی تخلیق کا یہ ثمر ہے
کہ ہر گل بہ نوکِ قلم دیکھتے ہیں

○

○

ہر طرف قحطِ محبت ہے مگر
روز افزوں ہے محبت میری

○

○

کیا چیز ہے چاہت کے حسیں ساز کا جادو!
بھولا نہیں اب تک تری آواز کا جادو

انداز وہ خود سیکھ گیا ناز و ادا کے
جس شخص نے دیکھا ترے انداز کا جادو

کھل جائے اگر راز تو کچھ بھی نہیں رہتا
ہوتا ہے ہر اک راز میں اک راز کا جادو

اڑتے ہوئے آزاد پرندوں سے یہ پوچھو
ہے کتنا ہوا ساز یہ پرواز کا جادو!

ذروں میں مہ و مہر کی ہے تاب اسی سے
دیکھو تو سہی، عشق کے اعزاز کا جادو

دیکھو نہ کہیں اور، مجھے دیکھ لو آ کر
رکھتا ہے جمیل ایک گھر ساز کا جادو

○

○

تمام زخم پرانے سنبھال کر رکھنا
محبتوں کے خزانے سنبھال کر رکھنا

دلوں کی لوح پہ ہیں نقش نقش تصویریں
ہزار رنگ فسانے سنبھال کر رکھنا

میں تیری روحِ رواں ہوں تو میرا نغمۂ جاں
یہ لازوال ترانے سنبھال کر رکھنا

جو فصل بوئی ہے ہم نے تمہی تو کاٹو گے
جو آئیں گے وہ زمانے سنبھال کر رکھنا

بکھر بھی جائیں اگر گل، بہار کی خوشبو
کہا ہے ہم سے ہوا نے، سنبھال کر رکھنا

جمیلؔ سنگ زنی پیشۂ رقیباں ہے
دلوں کے آئینہ خانے سنبھال کر رکھنا

○

○

جمیلؔ اس کا ہر اک رنگ ہی نرالا تھا
وہ کم سخن تھا مگر اس کا بول بالا تھا
وہ اپنی ذات میں تھا حسنِ وادیٔ کشمیر
کہ بے نظیر بہاروں نے اس کو پالا تھا
اسی لئے تو اجالے سے پیار تھا اس کو
کہ اس کے رخ پہ نکھرتا ہوا اجالا تھا
اِسی لئے تو وہ پہلے ہی چل دیا یارو!
اُسے خبر تھی کہ جو وقت آنے والا تھا
میں بھول کر بھی اسے کیسے بھول سکتا ہوں
وہ میرا شعر، مرا دل، مرا حوالہ تھا
وہ سب کے دل سے گزرتا تھا دائرہ بن کر
وہ شب کا چاند تھا سب کے دلوں کا ہالہ تھا
ہر ایک لفظ کا پیکر تھا بولنے والا
کہ اس نے دل کا لہو پیکروں میں ڈھالا تھا
تھی میری ذات اسی کائنات سے منسوب
جمیلؔ اس کا حوالہ، مرا حوالہ تھا

○

(احمد شمیم کی یاد میں)

○

کتنی بے حس روشنی ہے مقبروں کے شہر میں
سب دعائیں بے اثر ہیں مسجدوں کے شہر میں
وہ خدا تخلیق کی جس نے یہ ساری کائنات
وہ خدا بھی ہے اکیلا آزروں کے شہر میں
یوں تو میں تنہا ہوں لیکن کتنا لامحدود ہوں
تازیانوں کی فضا میں ان حدوں کے شہر میں
کوئی ڈر دل میں نہیں ہے جاں ہتھیلی پر لئے
میں اکیلا پھر رہا ہوں قاتلوں کے شہر میں
شعبدوں کا دور ہے یہ' معجزوں کا ہو نہ ہو
شعبدہ دکھلائیں کیا بازی گروں کے شہر میں
بزدلوں کی بستیوں سے باندھ لیں رختِ سفر
حوصلہ کچھ تو ملے گا حوصلوں کے شہر میں
ہم لئے پھرتے ہیں سینے میں بہارِ بے خزاں
رات دن رنگت بدلتے موسموں کے شہر میں
گھپ اندھیرے میں چراغِ فن جلاتے ہیں جمیلؔ
دل کھلا رکھتے ہیں اپنا حاسدوں کے شہر میں

○

○

کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں ترا جواب کوئی
کہیں جہاں میں نہیں تجھ سا آفتاب کوئی
سبھی نے تجھ کو بہت دور دور سے دیکھا
کہاں ہوا تری محفل میں باریاب کوئی!
لٹے پڑے ہیں بہت گھر، بڑے ہیں ویرانے
نہیں ہے دل سا مگر خانماں خراب کوئی
یہ کہہ رہا ہے محبت ہے آج بھی زندہ
کسی مزار پہ کِھلتا ہوا گلاب کوئی
صدائے دل نے ترا نام لکھ دیا بڑھ کر
میں ڈھونڈتا ہی رہا حرفِ انتساب کوئی
حساب کیسی محبت کا مانگتے ہو کہو!
محبتوں میں تو ہوتا نہیں حساب کوئی
ہے سرزمینِ چمن خشک و بے ثمر اتنی
کہ جیسے عمر سے برسا نہیں سحاب کوئی
یہیں سے فصلِ غمِ انقلاب کاٹیں گے
اسی زمین میں بویا ہے انقلاب کوئی
یہ سلسلہ بھی محبت کا سلسلہ ہے جمیلؔ
میں انتخاب ترا، میرا انتخاب کوئی

○

○

دیکھ کر مجھ کو اسے کیا جانے کیا یاد آئے ہے!
مدتیں گزریں مگر وہ آج بھی شرمائے ہے
بات ہی ایسی ہے کیا اپنی سمجھ میں آ سکے!
میں اسے سمجھا رہا ہوں وہ مجھے سمجھائے ہے
زندگی بھر کاروبارِ منفعت جس نے کیا
وہ محبت میں بھلا کیا کھوئے ہے کیا پائے ہے!
ریگِ صحرا میں بھی مجنوں سا کوئی ہم سر نہیں
اور شہروں کی ہوا میں بھی یہ دل گھبرائے ہے
جس فضا میں پھول کھلتے تھے محبت کے کبھی
اس فضا میں پھول سا دل کس لئے کملائے ہے!
اپنے دل کی بات ہم کس سے کہیں، کیسے کہیں!
بات جو بھی لب پہ آئے حادثہ بن جائے ہے
راہ گم کردہ مسافر چل رہے ہیں اس طرح
جس طرح اندھے کو اندھا راستہ دکھلائے ہے
میں نے تو سچ بات کہہ کر چپ کی چادر اوڑھ لی
کہہ سکے تو تُو بھی کہہ دے جو بھی تیری رائے ہے
آتی جاتی سانس کی تفسیر اتنی ہے جمیلؔ
ہر نفس یہ زندگی زنجیر سی پہنائے ہے

○

○

دھوپ کے، چھاؤں کے، خوشبو کے، ہوا کے سلسلے
تجھ سے بڑھ کر خوبصورت ارتقا کے سلسلے

یہ زمین و آسماں میں سات رنگوں کا ملاپ
قوس اندر قوس یہ ارض و سما کے سلسلے

یہ چمن تو مانگتے ہیں خونِ تازہ کی مہک
کیا سے کیا ہوتے گئے رنگِ حنا کے سلسلے!

پھول کھلتے جائیں گے یارو چمن اندر چمن
ختم ہونے کے نہیں بادِ صبا کے سلسلے

کیسے کیسے چیستانوں سے شناسا کر گئے!
زندگی کے مرحلے اس آشنا کے سلسلے

موج جو ساحل سے ٹکرائی وہی واپس ہوئی
نارسا ہیں کس قدر موجِ رسا کے سلسلے!

دیکھ لینا چاکِ دامانِ سحر تک جائیں گے
جب ذرا کھل جائیں گے بندِ قبا کے سلسلے

اپنے مستقبل کی تصویریں بناتے جائیں گے
اور چلتے جائیں گے یہ نقشِ پا کے سلسلے
کون کر سکتا ہے اپنے خون کی قیمت ادا!
تاابد جاری رہیں گے خوں بہا کے سلسلے!
میں ہی سارے دائروں کا نقطۂ پرکار ہوں
کیا خدا کے سلسلے کیا ناخدا کے سلسلے
آسماں کی جگمگاہٹ میرے دل کی روشنی
یہ زمیں کی آہٹیں، میری صدا کے سلسلے
ہر نئی منزل پہ کہتا ہے کہ منزل دور ہے
خوب ہیں اپنے دلِ سیماب پا کے سلسلے
میرے سینے میں بھی سب کا دل دھڑکتا ہے جمیلؔ
اور باہر بھی اِسی کوہِ ندا کے سلسلے

○

○

اپنے رستے کی نہ دیوار بنو
ذات کے خول سے باہر نکلو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہو
شبِ غم کا کوئی چارہ تو کرو!
شاید اس میں ہو کوئی بھید کی بات
غور سے وقت کی آواز سنو
اپنا سایہ بھی پرایا ہے یہاں
اپنے سائے سے بھی اب کچھ نہ کہو
وقت نے خوب اڑایا ہے مذاق
آ بھی جاؤ تو نہ پہچان سکو
کچھ تو پہچان کی صورت نکلے
دل کا یہ خون ہی چہروں پہ ملو
ہاتھ آ جائے گا سورج بھی جمیل
صبح تک چلتے رہو، چلتے رہو

○

○

اس طرح یاد تمہاری آئے
ہار کر جیسے جواری آئے
میں اُسے لاکھ بھلانا چاہوں
روبرو شکل وہ پیاری آئے
اپنی خوشبو سے چمن مہکاؤں
جب تلک بادِ بہاری آئے
سارے خوابوں سے اجالے برسیں
ایک بھی رات نہ بھاری آئے
پھول سے شعر میں ڈھل جاتا ہے
دل پہ جو زخم بھی کاری آئے
دیکھئے کیا ہو پرندوں کی اڑان!
بھر کے بہروپ شکاری آئے
جانے کب رات ڈھلے اور جمیلؔ
اپنے سورج کی سواری آئے

○

○

تو خوب تھا اب اور بھی کچھ خوب ہوا ہے
ہر دور ترے نام سے منسوب ہوا ہے

وہ شخص جو ہر شخص کا محبوب ہوا ہے
کیا بات ہے آخر وہی مصلوب ہوا ہے!

اس شہر میں آتی نہیں اب بادِ صبا بھی
اُترا ہے جو اس شہر میں معتوب ہوا ہے

کیا جانئے اب کون ہے قیمت میں زیادہ!
طالب تھا جو پہلے، وہی مطلوب ہوا ہے

اب اس کے لئے حسنِ دوعالم بھی ہے کیا چیز!
جو شخص ترے عشق میں مجذوب ہوا ہے

ہر دور کے سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
ہر دور میں زندہ مرا اسلوب ہوا ہے

○

○

یوں تو ہر راہ گزر راہ گزر ہے تیری
لیکن اب کون سی منزل پہ نظر ہے تیری!

تُو تو خوشبو کی طرح پھیل گیا ہے ہر سو
میں تو کیا سارے زمانے کو خبر ہے تیری

ڈوب جانا ہی یہاں پار اتر جانا ہے
دل سمندر ہے ترا، آنکھ بھنور ہے تیری

رس تو پھولوں میں بھی آتا ہے مگر آہستہ
شہد سی بات بڑی زود اثر ہے تیری

اس اجالے میں ترے خواب مری تعبیریں
میرے چہرے پہ جو روشن ہے سحر ہے تیری

برف بن کر مرے ہاتھوں سے سرکنا کیسا!
تو حقیقت ہے تو تعبیر کدھر ہے تیری!

○

○

فضا میں پھیل گئے گیت ساربانوں کے
کہ جیسے یہ بھی ہیں کردار داستانوں کے
اب آئینے میں بھی آتے ہیں مہماں کی طرح
مکیں کے ساتھ گئے عکس بھی مکانوں کے
یہ دھول دھول ہوائیں یہ پھول پھول سے زخم
ہمارے نام یہ تحفے ہیں' مہربانوں کے
وہی صبا جو کِھلاتی تھی پھول گلشن میں
اڑا کے لی گئی تنکے بھی آشیانوں کے
وصال و ہجر میں اتنے تو فاصلے نہ رہیں
اگر زمیں پہ کُھلیں راز آسمانوں کے
سفر ہیں اور پسِ پردۂ نظر کتنے!
کہ مہر و ماہ تو عنواں ہیں دو جہانوں کے
وہیں ہمیں بھی ملے گانشان منزل کا
جہاں پہ سلسلے ملتے ہیں سب زمانوں کے
تھے موج موج میں طوفان پھر بھی خم نہ ہوئے
جمیلؔ ہم کو ملے حوصلے چٹانوں کے

○

○

جو لطف تسلسل میں ہے حاصل میں نہیں ہے
رستے میں ہے جو بات وہ منزل میں نہیں ہے
اے دوست! نگاہوں کو سمجھتی ہیں نگاہیں
جو تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے
اب قتل بھی کرتا ہے تو جاں سے نہیں جاتے
پہلی سی وہ شدت مرے قاتل میں نہیں ہے
جب قیس کو لیلیٰ کی طلب ہی نہ رہی ہو
پھر کیسی شکایت کہ وہ محمل میں نہیں ہے
جو آپ ہی قاتل تھا وہ مصلوب ہے دیکھو
وہ رقص کا انداز ہی بسمل میں نہیں ہے
ساحل بھی سمندر سے الگ تو نہیں ہوتے
وہ کون سا طوفاں ہے جو ساحل میں نہیں ہے!
یہ بات جدا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا
جو داغ ہے دل میں مہِ کامل میں نہیں ہے
سب ڈھونڈتے پھرتے ہیں اسے بزمِ جہاں میں
میں اس کی طلب میں ہوں جو محفل میں نہیں ہے

○

○

بھولنا چاہوں تجھے اور یاد بھی کرتا رہوں
زندگی! تیرے لئے جیتا رہوں مرتا رہوں

تو اگر ہو ہم سفر تو میں رہوں سینہ سپر
تو بچھڑ جائے تو ہر ہر گام پر ہرتا رہوں

انجمن در انجمن میرا ہی افسانہ چلے
اور تنہائی میں تنہائی سے میں ڈرتا رہوں

وقت رک جائے تو دھڑکن سے اسے زندہ کروں
جام خالی ہو تو اپنے خون سے بھرتا رہوں

زندگی کے تجربوں سے جو بھی سیکھا ہے جمیلؔ
تجربے سارے وہ اپنی ذات پر کرتا رہوں

○

○

ہر کوئی اپنا دلدار تھا ہم اکیلے نہیں تھے
ہم سے روٹھے ہوئے زندگی کے یہ میلے نہیں تھے

سانس خوشبو کی مانند آتی تھی گلزارِ جاں میں
درد کے رت جگے، سانس کے یہ جھمیلے نہیں تھے

کتنی آسان تھیں زندگی! تیری دشوار راہیں
جب تلک تیری چاہت کا یہ کھیل کھیلے نہیں تھے

اب تو تنکوں کا دامن پکڑتے ہیں ساحل سمجھ کر
وہ بھی دن تھے حوادث کے یہ تُند ریلے نہیں تھے

کتنے خوابوں کو مہکا دیا پیار کی بانسری نے!
ورنہ سب کھیت سونے تھے، سرسبز بیلے نہیں تھے

○

○

جادو یہ کس نگاہِ فروزاں کا چل گیا!
لوہا پگھل کے حسن کے سانچے میں ڈھل گیا
جتنی شکایتیں تھیں وہ سب دور ہو گئیں
دل اک ترے تبسمِ لب سے بہل گیا
راہوں کے پیچ و خم میں الجھتا رہا ہے دل
تیری گلی کے موڑ پہ آ کے سنبھل گیا
جھونکا تھا وہ نسیم کا ٹھہرا نہیں کبھی
آیا تھا کس طرف سے! کدھر کو نکل گیا
جب غور سے سنا تو وہی تھا خزاں کا گیت
وہ نغمۂ بہار کہ لب پر مچل گیا
طغیانیوں میں خون کے رشتے بھی بہہ گئے
دریا اُمڈ کے اپنے کنارے نگل گیا
جب تک ملا نہیں تھا وہ کچھ اور تھا جمیلؔ
جب دل میں بس گیا تو وہ کتنا بدل گیا!

○

○

گھر سے دیوار ملی ہے گھر کی
دوریاں پھر بھی زمانے بھر کی
ہر کہی بات پرایا دھن ہے
آبرو سیپ سے ہے گوہر کی
اتنی گہرائی سمندر میں کہاں!
جتنی گہرائی ہے سُر ساگر کی
مرے پیاروں کی تھی خوشبو گھر میں
یاد آتی رہی گھر میں گھر کی
خون میں ڈوب گیا رنگِ شفق
جب چلی بات شفق منظر کی
نام اب رکھ دو اسی کا دنیا
خیر کے بھیس میں صورت شر کی
سر کو نیزے پہ سجا لائے جمیلؔ
کیا یہ قیمت ہے تمہارے سر کی!

○

○

تو وہ جلال ہے جس کا نہیں وجود کوئی
ترے جمال سے خالی نہیں نمود کوئی

کہاں کسی نے محبت کی انتہا دیکھی
یہ بحر وہ ہے کہ جس کی نہیں حدود کوئی

کُھلی فضا میں معلق رہو گے یوں کب تک!
جہاں وہ کیا کہ نہ ہو جس میں ہست و بود کوئی!

خلوص کار تو ہیں بے نیازِ سود و زیاں
محبتوں کے جہاں میں زیاں نہ سود کوئی

فضائے دل میں حرارت رہے اگر موجود
تو آس پاس بھی ہوتا نہیں جمود کوئی

جمیلؔ اور بھی عالم نئے نئے ہوں گے
نہ ہو گا ہم سا مگر عالمِ وجود کوئی

○

○

بلا کی دھوپ ہے اور سایۂ شجر ہی نہیں
جمیل اور تو سب کچھ ہے ایک گھر ہی نہیں

یہاں کسی پہ کسی بات کا اثر ہی نہیں
وہ گمرہی ہے کوئی حرف معتبر ہی نہیں

وہ زد پڑی ہے کہ گم کردہ راہ ہیں سارے
جو لے چلے سرِ منزل یہ وہ سفر ہی نہیں

ہمارا ناخنِ تدبیر کیا گرہ کھولے!
یہ بحر وہ ہے کہ جس میں کوئی بھنور ہی نہیں

تجھے بسیط اندھیرے میں کیا نظر آئے
کہ تیرے پاس کوئی نقطۂ نظر ہی نہیں

جمیلؔ ہم کو غمِ زندگی کا غم کیوں ہو!
یہ غم تو وہ ہے کہ جس سے کوئی مفر ہی نہیں

○

○

ہر ایک بات قیامت کی بات ہے پیارے
یہ زندگی تو نہیں، پل صراط ہے پیارے

کہیں کہیں کوئی تارا دکھائی دیتا ہے
بچھی ہوئی شبِ غم کی بساط ہے پیارے

یہ فاصلے تو نہ تھے تیرے میرے ہاتھوں میں
جو درمیان ہے وہ کس کا ہاتھ ہے پیارے!

مری شکست پہ یوں خوش نہ ہو غرور نہ کر
مری شکست میں تیری بھی مات ہے پیارے

ہنسی خوشی سے غمِ زندگی قبول کریں
رہِ حیات ہی راہِ نجات ہے پیارے

حیات و مرگ سے توسیعِ عشق ہوتی ہے
دلوں کا ساتھ تو عمروں کا ساتھ ہے پیارے

رواں ہیں دونوں جہاں جسم و جاں کے محور پر
یہی تو رات محبت کی رات ہے پیارے

بس ایک خوابِ محبت ہی غیر فانی ہے
یہ زندگی تو بڑی بے ثبات ہے پیارے

بڑے وثوق سے چل زندگی کی راہوں پر
کہ تیرے زیرِ قدم کائنات ہے پیارے

بہت دنوں سے کوئی بت شکن نہیں آیا
قدم قدم پہ وہی سومنات ہے پیارے

جمیلؔ چاند ستاروں کے ساتھ ہم بھی چلیں
رواں بہ سوئے سحر یہ برات ہے پیارے

○

○

کس قدر سست رو، کس قدر تیز رفتار ہے زندگی!
کتنے خوابوں میں گم، کتنی صدیوں سے بیدار ہے زندگی

تیری فرقت میں کٹ جائے تو چلچلاتی ہوئی دھوپ ہے
تیرے سائے میں گزرے تو برگد ہے چھتنار ہے زندگی!

تیری زلفوں کے سائے میں جاگے تو مہکے صبا کی طرح
وقت کی سانس کے پُل سے گزرے تو تلوار ہے زندگی

جب میں چھونے لگوں تو ہر اک پور میں رنگ لو دے اٹھے
تجھ سے بڑھ کر حسیں تجھ سے بڑھ کر طرح دار ہے زندگی

دشمنی پر اتر آئے تو اس سے کوئی بڑا اور دشمن نہیں
جن کو راس آئے ان کے لئے دوستو کتنی ہموار ہے زندگی!

یوں ہی دکھ کے سمندر بلوتے کنارے پہ لگ جائیں گے
ہم ازل سے ابد کے مسافر ہیں پتوار ہیں زندگی!

○

○

آنکھ اوجھل ہو گئے تو خواب میں ملتے رہے
چاہتوں کے پھول تھے وہ روح میں کھلتے رہے

پھول شاخوں سے جدا تھے خاک کا مقدور تھے
ٹہنیوں کے عکس پانی میں مگر ہلتے رہے

مرحلے کتنے تھے اپنے آپ طے ہوتے گئے
اور کتنے زخم چھو لینے سے بھی چھلتے رہے

کتنے یاروں کو پکارا بھی تو وہ آئے نہیں
اور کتنے اجنبی تھے بے طلب ملتے رہے!

جب بہار آئی تو سینہ چاک تھے سب گل بدن
پیرہن بدلے گئے تو زخم بھی سلتے رہے

رنگ و خوشبو کے سفر پر ہم روانہ تھے جمیلؔ
کس چمن کے پھول تھے کن بستیوں کھلتے رہے!

○

○

تمہارے ہاتھ میں یہ ہاتھ بھی غنیمت ہے
یہ مختصر سی ملاقات بھی غنیمت ہے
نہ جانے کب کوئی آندھی اڑا کے لے جائے
یہ دو قدم ہے تو کیا' ساتھ بھی غنیمت ہے
وہ چاہتیں ہی رہیں اب نہ فرصتیں ہی رہیں
کبھی کبھی کی ملاقات بھی غنیمت ہے
فراقِ عشق کی ان بے شمار راتوں میں
وصالِ حسن کی اک رات بھی غنیمت ہے
قریب تر تو ہوئے ہیں اسی بہانے سے
ستم ظریفیٔ حالات بھی غنیمت ہے
اسی میں حسنِ غمِ کائنات بھی ہو گا
یہ اعتمادِ غمِ ذات بھی غنیمت ہے
دعا میں بولتے ہیں بندہ و خدا دونوں
حصارِ شب میں مناجات بھی غنیمت ہے
خبر خبر پہ جہاں احتساب ہو یارو
نظر نظر میں وہاں بات بھی غنیمت ہے
غرض کے دور میں اور منفعت کی دنیا میں
جمیلؔ پیار کی سوغات بھی غنیمت ہے

○

○

تو ہی مختارِ کُل ہے تو ہم کیا کریں
اپنے ہونے نہ ہونے کا غم کیا کریں
ہم کو معلوم ہے قسمتِ آشیاں
دوستو چار تنکے بہم کیا کریں
کب انہیں یاد ہے نامِ حرفِ وفا
اب وہ اس سے زیادہ کرم کیا کریں!
بات کرنے سے بھی بات بنتی نہیں
کھو چکا اپنا سارا بھرم کیا کریں
روح تو بھر گئی، پیٹ بھرتا نہیں
روح سے ہم علاجِ شکم کیا کریں!
جو بھی لمحہ گیا، وہ ابد بن گیا
ہم ابد میں ہیں فکرِ عدم کیا کریں
راہ تکتے ہیں صدیوں سے تھکتے نہیں
تم نہ آؤ تو نقشِ قدم کیا کریں
ایک سچ ہی تو ہے حاصلِ داستاں
اور اس کے سوا ہم رقم کیا کریں
خون کی روشنائی بھی جب خشک ہو
کیا لکھیں اور اہلِ قلم کیا کریں!

○

○

دل کو جاتا ہے نظر کا راستہ
یہ بھی ہے اک اپنے گھر کا راستہ

نور کی منزل اگر ہو سامنے
ایک سا ہے بحر و بر کا راستہ

ہم تو اس بھونچال میں چکرا گئے
زندگی ہے یا بھنور کا راستہ

سارے رستوں پر کھڑے ہیں راہزن
ہے کوئی باقی سفر کا راستہ!

اب کہاں جائیں کسے آواز دیں!
بھول بیٹھے اپنے گھر کا راستہ

گھر کے قیدی اپنے چوکیدار بھی
کیا کھلے دیوار و در کا راستہ!

جس طرف ہیں رنگ و بو کے قافلے
کیوں بتائیں وہ اُدھر کا راستہ!

وہ نہ آئی ہم نے دیکھا عمر بھر
ایک ان دیکھی سحر کا راستہ

دیکھ آئیں اپنی محنت کا ثمر
ہے یہی شہرِ شجر کا راستہ

تم کو بھی زخمی نہ کر دے دوستو!
یہ مرے زخمِ ہنر کا راستہ

صبح کا اخبار کیا دیکھیں جمیلؔ
بند ہے تازہ خبر کا راستہ

○

○

ماضی لوٹ کے کب آتا ہے
کس کے پیچھے دوڑ رہے ہو!

○

○

کیسے کیسے دوست، کتنے آشنا رخصت ہوئے!
ہم وفا کرتے رہے اور بے وفا رخصت ہوئے

اب تو یاروں کے بچھڑنے کی ادا ہی اور ہے
یوں تو پہلے بھی وہ ہم سے بارہا رخصت ہوئے

رات بھر میرے شبستاں میں چراغاں تو کیا
صبح دم کیوں صورتِ بادِ صبا رخصت ہوئے!

دیکھتے ہی دیکھتے سب محفلِ دل لٹ گئی
آئے پل بھر کے لئے اور دل ربا رخصت ہوئے

ایسا لگتا ہے کہ ہم سارے زمانے سے گئے
چاہنے والے ہمارے دل سے کیا رخصت ہوئے!

آج تک بھولا نہیں ان سے بچھڑنے کا سماں
اپنی پلکوں پہ جلایا اک دیا رخصت ہوئے

کیا ملے گا ہاتھ اٹھائیں بھی تو اب کس کے لئے!
سب دعا کے حرف مانندِ ہوا رخصت ہوئے

اب مسیحائی کی ساری ہی دکانیں بند ہیں
جو مسیحا تھے وہی لے کر دوا رخصت ہوئے

کھو گئی ہے وقت کے صحرا میں آوازِ جرس
قافلے جتنے تھے سارے بے صدا رخصت ہوئے

آنے والوں کے لئے بنتے گئے چشم و چراغ
اس طرح ہم سے ہمارے نقشِ پا رخصت ہوئے

کیا خبر موجیں ہی اب پتوار بن جائیں جمیلؔ
کشتیوں کو چھوڑ کر سب ناخدا رخصت ہوئے

○

○

غریبِ شہر پہ افتاد تو پڑی ہے مگر
امیرِ شہر بھی اب بے حواس ہے کتنا!

○

○

تنہائی کی شب سے نہ کوئی رات بڑی ہو
دے مجھ کو سزا بھی مگر اتنی نہ کڑی ہو

جب گھر سے نکلتا ہوں تو ہوتا ہے یہ محسوس
جیسے یہ گھڑی بھی تری رخصت کی گھڑی ہو

بہتر ہے یہی آج میں گھر ہی کو نہ جاؤں
دروازے پہ شاید کوئی افتاد کھڑی ہو

تو پھول سا پیکر ہے مگر کیوں مجھے ڈر ہے!
شاید ترے ہاتھوں میں بھی کانٹوں کی چھڑی ہو

چرکے غمِ ایام کے یوں کھائے ہیں برسوں
جیسے غمِ دوراں سے ابھی آنکھ لڑی ہو

ملتا ہے یہ انمول گہر کُنجِ صدف میں
وہ چیز نہیں دل کہ جو رستے میں پڑی ہو

تو نے ہی سکھایا مجھے جینے کا قرینہ
اے حسنِ غمِ یار! تری عمر بڑی ہو

○

○

میرے ہوتے ہوئے کیوں غیر کی محفل میں رہو
دھڑکنیں میری سنو اور مرے دل میں رہو
کسی کونپل کی طرح سب سے چرا کر نظریں
پھول بن بن کے کھلو، گلشنِ حاصل میں رہو
بحر میں ڈوب کے لاؤ کوئی موتی ورنہ
عمر بھر ریت کی صورت کفِ ساحل میں رہو
چند ہی دن میں تڑپنے کی ادا بھول گئے
آؤ مقتل میں ذرا حلقۂ بسمل میں رہو
قیسِ امروز ہوں میں، لیلئ فردا تم ہو
میرے پاس آؤ مری آنکھ کے محمل میں رہو
جو سدا ساتھ چلے تم اسی رستے پہ چلو
جو کبھی ساتھ نہ چھوڑے اسی منزل میں رہو
چھوڑتے جاؤ یہاں اور وہاں نقشِ جمیلؔ
ارضِ خاکی پہ چلو یا مہِ کامل میں رہو

○

○

جو اپنے نام تھی وہ منزلِ یقیں نہ ملی
وطن سے نکلے تو جائے اماں کہیں نہ ملی

نہ لوٹ کر کبھی آیا وہ پیکرِ گلزار
وصالِ یار کی وہ ساعتِ حسیں نہ ملی

عجیب عالمِ وارفتگی رہا برسوں
کبھی وہ در نہ ملا اور کبھی جبیں نہ ملی

ہر ایک یاد سے میں نے کہا کہ رک جاؤ
کوئی بھی یاد مگر میری ہم نشیں نہ ملی

ہے ایک ایک سے بڑھ کر یہاں حسیں چہرہ
جو دل سے پھوٹے وہی تابشِ نگیں نہ ملی

فلک پہ یوں تو فروزاں ہیں چاند تارے بھی
جو روشنی تری باتوں میں تھی کہیں نہ ملی

زمانے بھر کی نگاہوں سے دور ہو بیٹھے
وہ لوگ جن کو محبت ترے قریں نہ ملی

مدار چھوڑ کے تارے بھی راستے میں بجھے
جو آسماں پہ اڑے تھے انہیں زمیں نہ ملی

تری نظر میں فروزاں ہے کائناتِ جمال
جمیلؔ تجھ سے کوئی چیز بہتریں نہ ملی

○

○

یوں نہ ہر وقت کوئی تیر کماں میں رکھو
بات کہنے کا سلیقہ بھی زباں میں رکھو
اس کنارے پہ کھڑا راستہ تکتا ہے کوئی
یاد کا کوئی کنول آبِ رواں میں رکھو
تارِ مژگاں میں پرونے کے لئے کچھ تو رہے
آنسوؤں کے یہ گہر سوزنِ جاں میں رکھو
گھر کا نقشہ نہ سہی پیار کا کتبہ ہی سہی
کوئی میرا بھی نشاں اپنے نشاں میں رکھو
آ بھی جاتا ہے کبھی پیار کا گاہک کوئی
میرا دل بھی تو کبھی اپنی دکاں میں رکھو
لوٹ کر پھر اسی رستے سے گزرنا ہو گا
سوچ کر پہلا قدم راہِ جہاں میں رکھو
روشنی کو تو اندھیرے سے نہ منسوب کرو
کچھ نہ کچھ فرق تواس سود و زیاں میں رکھو
یوں نہ دیوار پہ دیوار اٹھاؤ یارو
ذات کا کوئی دریچہ تو مکاں میں رکھو
آ ملے راستے سب ایک ہی منزل پہ جمیلؔ
فاصلے اور نہ اب لفظ و بیاں میں رکھو

○

○

کچھ نہ کچھ دید کی آس بھی ہے
اک دریچہ مرے پاس بھی ہے
پھول سی مسکراہٹ کے پیچھے
پھول سی، دھول سی یاس بھی ہے
شہر کا شہر پھولوں بھرا ہے
کیا کہیں پیار کی باس بھی ہے!
روشنی کے دیاروں سے پہلے
زندگی ایک بن باس بھی ہے
آ مرے برف زارِ بدن میں
تیری گرمی مجھے راس بھی ہے
تو سمندر مری خواہشوں کا
تو مری روح کی پیاس بھی ہے
تو مری شاعری کا جھروکا
تو مرا طرزِ احساس بھی ہے

○

○

دھند چھائی ہوئی تا حدِ نظر ہے یارو
مرا دشمن مری آنکھوں کا بھنور ہے یارو
ساری دنیا کے لئے جشنِ تماشا میں ہوں
کیا مرے حال کی تم کو بھی خبر ہے یارو!
خاک کا رزق وہ آنسو جو زمیں پر ٹپکے
اشک پلکوں پہ جو رک جائے گہر ہے یارو
جس طرف میں ہوں وہاں ایک مری تنہائی
جس طرف وہ ہے زمانہ بھی اُدھر ہے یارو
ڈھونڈتے ڈھونڈتے جس شخص کو جُگ بیت گئے
کن دھندلکوں میں وہ محبوبِ نظر ہے یارو!
جس کو آنکھوں میں بسائے ہوئے صدیاں گزریں
وہ سحر تو ہے کہاں! خوابِ سحر ہے یارو
اتنی فرصت ہی کہاں ہے کہ ذرا رک جائیں
زندگی ایک طلب، ایک سفر ہے یارو

○

○

دل کا پیمانۂ اظہار چھلک جائے گا
مرا آنسو تری پلکوں سے ڈھلک جائے گا
شب کی تنہائی میں دل پر تری دستک ہو گی
بیکراں رات کا سینہ بھی دھڑک جائے گا
یاد آئے گی تری رات کی رانی بن کر
میری تنہائی کا ایوان مہک جائے گا
زندگی بھول بھلیاں ہے محبت کے بغیر
جو بھی اس راہ سے گزرے گا بھٹک جائے گا
میں تری روحِ رواں ہوں مجھے ٹھکرا کے نہ چل
ایک دو گام پہ رک جائے گا تھک جائے گا
اولِ شب میں جو ہنگامۂ شب طے نہ ہوا
اب وہ ہنگامۂ شب صبح تلک جائے گا
تجھ سے وابستہ رہا میرا مقدر تو جمیلؔ
میری قسمت کا ستارا بھی چمک جائے گا

○

○

خمِ ابرو بھی وہی' نکہتِ گیسو بھی وہی
کوئی موسم ہو ترے پیار کا جادو بھی وہی
میں تو میں تھا ہی مری جان مگر تو بھی وہی
ترا صندل سا بدن اور تری خوشبو بھی وہی
اپنی رفتار پہ قابو تجھے کل اور نہ آج
ترے قدموں سے نکلتے ہوئے آہو بھی وہی
وہی بھیگی ہوئی برسات کی چھم چھم دھڑکن
ترے آنکھوں میں چمکتے ہوئے جگنو بھی وہی
مسکراہٹ مرے ہونٹوں پہ شرارت سے بھری
تری پلکوں پہ تھرکتا ہوا آنسو بھی وہی
میں وہی پھول' سرِ شاخ مہکتا ہوا پھول
اور پانی میں ترا عکسِ لبِ جُو بھی وہی
سر پہ تاروں بھرا چھتنار وہی ہے کہ جو تھا
اور برگد کے تلے پیار کا سادھو بھی وہی

○

○

جب بھی ماضی سے گزرتا ہو گا
تو مجھے یاد تو کرتا ہو گا
میری آواز جب آتی ہو گی
میری آواز پہ مرتا ہو گا
مجھ پہ الزام تھے سارے اب تو
خود پہ الزام بھی دھرتا ہو گا
تیرا سایہ ہی نہ بن جاؤں کہیں
بس اسی بات سے ڈرتا ہو گا
پسِ آئینہ مجھے دیکھ کے بھی
پیشِ آئینہ سنورتا ہو گا
جب بہاروں میں نظر آ جاؤں
رنگ کچھ اور نکھرتا ہو گا
آج بھی تو اُسی خوشبو کی طرح
میری راہوں میں بکھرتا ہو گا
میری ہر چاپ پہ جھونکے کی طرح
کتنی مشکل سے ٹھہرتا ہو گا!
گئے لمحوں میں اترنے کے لئے
وقت کے پُل سے گزرتا ہو گا

○

○

شبنمی راتوں کا اثر دیکھنا
پھول سے چہروں پہ سحر دیکھنا
پھر جو نہ چاہو نہ اِدھر دیکھنا
آج مگر ایک نظر دیکھنا
اس کی نگاہوں کے بھنور دیکھ کر
دل میں جو پڑتے ہیں بھنور دیکھنا
روز ابھرتا ہے وہ خورشید میں
دیکھ نہ پاؤ گے مگر دیکھنا
گردِ رہِ یار میں گم ہو گئے
چاہنے والوں کا سفر دیکھنا
ایک پرندہ بھی نہیں شاخ پر
کس طرح یہ اجڑا شجر دیکھنا
روز اکیلے ہی مگر لوٹنا
روز تری راہ گزر دیکھنا
شام کے تارے پہ مرا نام ہے
میں ہوں جِدھر تم بھی اُدھر دیکھنا
دیکھنا پتھر کے نہ ہو جائیں ہم
مڑ کے نہ تم بارِ دگر دیکھنا

○

○

تم میری محبت ہو، مرا تاج محل ہو
کیا تم پہ کہوں شعر کہ تم آپ غزل ہو

میں خواب کی تعبیر ہوں ساحل پہ کھڑا ہوں
ہاتھوں سے پھسلتا ہوا تم نیل کنول ہو

جس پیڑ پہ میرا بھی بسیرا ہے ازل سے
تم بھی تو اُسی تلخ و حسیں پیڑ کا پھل ہو

میں عشق سمندر ہوں کھُلا ہے مرا آغوش
تم حسن کے دریا کی اچھلتی ہوئی چھل ہو

اس خواب کی تعبیر میں لاؤں گا ابد سے
تم میری مسافت ہو مرا خوابِ ازل ہو

دروازے پہ یوں صاحبِ تدبیر کھڑے ہیں
جیسے تمہی ہر عقدۂ تقدیر کا حل ہو

ہم نے تو اسی دھن میں سبھی کام سنوارے
غالبؔ کے لئے لاکھ محبت بھی خلل ہو

چلتے رہو اب ہاتھ سے یہ ہاتھ نہ چھوٹے
مہکا ہوا گلشن ہو کہ جلتا ہوا تھل ہو

برفاب کے موسم میں کوئی چیز تو ہو پاس
جم جائیں اگر پاؤں تو احساس نہ شل ہو

میں وقت ہوں اپنے ہی تعاقب میں رواں ہوں
تم عمر ہو میری مگر اڑتا ہوا پل ہو

○

○

چاند اور سورج آگے آگے
پیچھے پیچھے دوڑ رہا ہوں

○

○

سارے الزام یہیں دھر گئے
کام جو کرنا تھے سبھی کر گئے
شوق کے سب مرحلے طے کر گئے
دن کو اڑے، شام ہوئی، گھر گئے
خار تھے ہم اور رہے شاخ پر
وہ جو پرندے تھے سفر پر گئے
خوف کا پہرہ تھا بھرے شہر میں
اپنی ہی آواز سے ہم ڈر گئے
پھرتے رہے لاش اٹھائے ہوئے
موت نہ آئی تھی مگر مر گئے
آخری چوٹی نہ مگر سر ہوئی
گھرے نشیبوں میں اتر کر گئے
دل ہی گیا تھا، مگر اب کے جمیلؔ
کیسی ہوا ہے کہ سبھی سر گئے!

○

○

پہلے اک جنتِ اغیار بسا لی اُس نے
اب مرے نام کی تختی بھی چُرا لی اُس نے

قہقہوں میں مرے ہونے کی صدا گونج اٹھی
جب سرِ بزم مری بات اچھالی اُس نے

اُس کی ہر بات میں سو رنگ ہیں سو افسانے
بات کوئی بھی نہ کی بھولنے والی اُس نے

ساری دنیا سے مجھے چھین لیا' مار دیا
آخرِ کار یہ حسرت بھی نکالی اُس نے

جس کی آنکھیں بھی ہیں کشکول زباں بھی کشکول
خلقتِ شہر! کیا تجھ کو سوالی اُس نے

تھے تو قلاش مگر اتنے بھی قلاش نہ تھے
کر دیا آج تو اندر سے بھی خالی اُس نے

مسکراتا ہے مگر کتنی رعونت سے جمیلؔ
جب سے اک مسندِ بے تاج سنبھالی اس نے

○

○

کی اس نے ایک بات مگر عام ہو گئی
چاہت جمیلؔ مفت میں بدنام ہو گئی

کچھ اپنا نام اس نے بتایا تو تھا مجھے
اک بار ہی ملی تھی کہ گمنام ہو گئی

اظہارِ آرزو کا قرینہ عجیب تھا
جو بات لب پہ آئی ترا نام ہو گئی

دیکھو تو چاند بھی ہے ستارے کے روبرو
کوئی بُلا رہا ہے اٹھو شام ہو گئی

اس نے تو بار بار سہارا دیا مگر
لغزش نظر سے بہر گام ہو گئی

بدلے ہیں طور اُس کی نگاہوں نے اس طرح
جو بات مستند تھی وہی خام ہو گئی

پھر دل میں اک الاؤ دہکنے لگا جمیلؔ
پھر بستیوں میں آگ جلی شام ہو گئی

○

○

ابھی قدم ہی اٹھایا تھا اور گرد ہوئے
جو ہم سے پہلے گئے تھے وہ شیر مرد ہوئے
چلے تھے گھر سے تو ہاتھوں میں ہاتھ تھے لیکن
اڑا کے لے گئی آندھی تو فرد فرد ہوئے
جنہیں خود اپنے گناہوں کا بوجھ کافی تھا
وہ لڑکھڑا کے گرے اور گرد گرد ہوئے
بس ایک بار نکھرنا ہے پھر بکھرنا ہے
حسین پھول اسی آگہی سے زرد ہوئے
لویں تمام چراغوں کی کانپ کانپ گئیں
تمام رات پتنگے صدائے درد ہوئے
ہوائیں تیز تھیں، برفاب جسم تھے لیکن
عجیب روح کی گرمی تھی ہم نہ سرد ہوئے
زمین ان کو بلاتی ہے گود پھیلا کر
جمیلؔ خاک کے ذرے خلا نورد ہوئے

○

○

اک توازن سے دھڑکنے کے لئے
دل پرندہ ہے چہکنے کے لئے

زندگی مے ہے نرالے ڈھب کی
یہ نہیں پی کے بہکنے کے لئے

چلتے رہنے سے سکوں ملتا ہے
اپنے پاؤں نہیں تھکنے کے لئے

کتنی دنیائیں ہیں اِن آنکھوں میں
یہ سمندر ہیں چھلکنے کے لئے

اپنے آنگن میں بھی اُترا تھا کبھی
اب تو ہے چاند بھی تکنے کے لئے

گھپ اندھیروں میں قلعہ بند نہ ہو
تُو تو سورج ہے چمکنے کے لئے

فن تو ہے آنچ سلگنے والی
مُتَنَد شعلے ہیں بھڑکنے کے لئے

اپنے قدموں سے نہ پامال کرو
پھول ہوتے ہیں مہکنے کے لئے

ماں کے پہلو میں جمیلؔ آج بھی ہوں
لوریاں دے کے تھپکنے کے لئے

○

○

میں کہاں سے آیا ہوں اب ہے دور گھر کتنا!
کٹ گیا سفر کتنا' رہ گیا سفر کتنا!
چاند اور تاروں کی بھیگنے لگی آنکھیں
راستہ دکھاؤ گے اور تا سحر کتنا!
دیکھ کر کیسے چاند مسکراتا ہے
حسن کا ستارا ہے آج اوج پر کتنا!
میرا دوست ہے لیکن دوستی سے نا محرم
میرے پاس رہ کر بھی مجھ سے بے خبر کتنا!
زندگی تو سانسوں کا اک طلسم خانہ ہے
رازِ زندگی پایا تم نے ڈوب کر کتنا!
ہم کہ اپنے ہاتھوں سے مارتے رہے پتھر
ہو گیا شجر اپنا آج بے ثمر کتنا!
بے ہُنر ہی اب شاید کچھ ہُنر بھی دکھلائے
دیکھنا ہے ہم میں ہے کون بے ہُنر کتنا!
آج خشک پتا ہے آنے والے موسم میں
کون جانے ہوتا ہے حرف معتبر کتنا!
تہہ میں جھانکنے والے ایک بات دیکھیں گے
بات کارگر کتنی بات میں اثر کتنا!

○

○

کب تک خواب خیال رہیں گے سارے خواب خیال
پوچھ رہا ہے تیرے میرے لب پر ایک سوال
اپنے ہاتھوں آپ ہوئیں ساری قدریں پامال
قدم قدم پر ایک الاؤ' قدم قدم بھونچال
آگے پیچھے سائے ہیں یا چلتے پھرتے لوگ!
روحوں کی حرمت کھو بیٹھے' جسم ہوئے کنگال
سکھ کا سانس کہاں سے آئے ایک مسلسل قید
نیچے کانٹوں کا بستر' اوپر تاروں کا جال
سب کی زبانیں بند ہیں سب کے لب پر گونگے بول
ہنستی بولتی سچائی کا شہر میں اتنا کال!
آگے آگے بڑھنے کی دُھن سر پر رہی سوار
پیچھے پیچھے چھوڑ آئے ہر منزل سال بہ سال
مل بھی جائے تو بھی شاید میں پہچان نہ پاؤں
دل میں جو مورت رہتی ہے اس کی نہیں مثال
بیچ میں پیار کا بہتا دریا پَل پَل ہمیں ملائے
یوں تو میرا نام جدائی' تیرا نام وصال
زندہ رہنے کا ہے پیارے باقی ایک ہی رنگ
جنم جنم تک بن جائیں ہم اک دوجے کی ڈھال

○

○

یہی زمین، یہی آسماں نکل آیا
جہاں بھی آنکھ کھلی تو وہاں نکل آیا
ہوا کے ساتھ چلے اور شاخ شاخ رکھے
جہاں قیام کیا، آشیاں نکل آیا
ہزار گرد ہوئے، حوصلے نہ سرد ہوئے
جہاں بھی گرد چھَٹی، کارواں نکل آیا
مرے لبوں پہ تو تھیں طوق و دار کی باتیں
یہ تیرا ذکر کہاں درمیاں نکل آیا
اسی یقین و گماں سے ہوئے جہاں تعمیر
مرا یقین ہی تیرا گماں نکل آیا
تمھاری یاد بھی چھتنار بن گئی کیا کیا
جہاں تھی دھوپ وہاں سائباں نکل آیا
سرابِ ریگِ رواں ہی سے اپنی پیاس بجھی
ہمارے پاؤں سے آبِ رواں نکل آیا
گرا جو خون کا قطرہ وہ رائیگاں نہ گیا
ہر ایک پھول سے اک گلستاں نکل آیا
افق سے تا بہ افق بیکرانیاں ہیں جمیل
میں کس جہاں سے چلا تھا کہاں نکل آیا

○

○

پہلے کی طرح آج بھی آیا ہے نیا سال
لیکن کوئی سوغات بھی لایا ہے نیا سال!
اس سال تو ہم تجھ سے بغل گیر ہیں ایسے
جیسے ترے پیکر میں سمایا ہے نیا سال
آبیٹھے ہیں یوں اس کی چھتر چھاؤں کے نیچے
جیسے تری دیوار کا سایا ہے نیا سال
یہ خود ہی وفادار نہ نکلے تو کریں کیا
ہم نے تو بہر حال منایا ہے نیا سال
ڈرتے ہیں کہیں چھین کے لے جائے نہ کوئی
ہم نے بڑی مشکل سے چرایا ہے نیا سال
پگھلا ہی چلا جائے ہے یہ موم کی صورت
ہم نے تو چراغوں میں جلایا ہے نیا سال
پہلو سے سرکنے کا یہ انداز عجب ہے
اپنا ہے مگر کتنا پرایا ہے نیا سال!
ہر سال یہی قیمتِ جاں دیتے رہے ہیں
اک سال لٹایا تو کمایا ہے نیا سال
ہم خود تو بلندی پہ جمیلؔ آج کھڑے ہیں
پستی سے کہاں ہم نے اٹھایا ہے نیا سال

○

○

لوگ نادان ہیں دانائیاں کھو بیٹھے ہیں
جھوٹ کے ساتھ ہیں سچائیاں کھو بیٹھے ہیں
پہلے اک عزتِ سادات گئی تھی اب تو
ہم پہ زیبا تھیں جو رسوائیاں کھو بیٹھے ہیں
روشنی میں بھی دکھائی نہیں دیتا اب تو
آنکھ رکھتے ہوئے بینائیاں کھو بیٹھے ہیں
اب تو خلوت میں بھی ہوتی نہیں خود سے باتیں
اس قدر شور ہے تنہائیاں کھو بیٹھے ہیں
چہرے بدلے تھے تو سمجھے تھے کہ رُت بدلی ہے
کیا خبر تھی کہ شناسائیاں کھو بیٹھے ہیں
قوس در قوس دھنک میں بھی کوئی رنگ نہیں
دل جلے، حسن کی انگڑائیاں کھو بیٹھے ہیں
آ کے بیٹھی ہیں تو اب جاتی نہیں بانجھ رُتیں
سب شجر اپنی توانائیاں کھو بیٹھے ہیں
وقت کے گہرے سمندر میں اترنے والے
کیسا طوفاں ہے کہ گہرائیاں کھو بیٹھے ہیں!
ہم کو جانا گیا غیروں کے حوالے سے جمیل
جب سے ہم ذات کی یکتائیاں کھو بیٹھے ہیں

○

○

ہر طرف خاک اڑا دی میری
اس نے کیوں سب کو سزا دی میری!
مجرمِ عشق تھا ایسا کہ ہوئی
شہر در شہر مناوی میری
ایک تھا وقت کا حاتم ایسا
جس نے بستی ہی لٹا دی میری
کیا بتاؤں میری قیمت کیا ہے
اس نے قیمت ہی چکا دی میری
طاقِ نسیاں پہ سہی ہے تو سہی
اس نے تصویر سجا دی میری
وہ جو پھولوں میں چُھپا بیٹھا ہے
کچھ خبر اس کو صبا دی میری!
میں بھی کیا کاغذی ناؤ تھا جمیلؔ!
یاد پانی میں بہا دی میری!

○

○

چپ چاپ میرے پاس سے ہو کر گزر گیا
خوشبو کا قافلہ تھا نہ جانے کدھر گیا
لے کر خبر بہار کی وہ کس نگر گیا!
اپنے تو شہر شہر کو ویران کر گیا
لگ جائے گی بہار کو روحوں کی بد دعا
موسم اگر وصال کا یونہی گزر گیا
سارے شفق کے رنگ اسی کے تو رنگ ہیں
آیا بطرزِ شام' برنگِ سحر گیا
اس کی وفا کا قرض اتاروں گا کس طرح
وہ آپ تو گیا مگر الزام دھر گیا
آئے گا کیا صدف مرے دامن میں ڈالنے!
کیا ذہن سوار تھی کہ وہ تہہ میں اتر گیا
خوشبو مگر فضاؤں میں اڑتی رہی جمیلؔ
وہ پھول خاکِ چمن پر بکھر گیا

○

○

جمیلؔ جو بھی تھا موسم عجیب تھا موسم
ہر ایک رنگ میں اپنا رقیب تھا موسم

اسی کے پاس تھا کانٹوں کا تاج میرے لئے
جو ہر بہار میں میرے قریب تھا موسم

وہ اور ہوں گے جنہیں جھولنے میسر تھے
مرے لئے تو ہوا کی صلیب تھا موسم

سیاہ رات تھی بارش تھی تازیانوں کی
تمام شہر میں کتنا مہیب تھا موسم!

یہی رفاقتِ گل ہی ہوئی ہلاکتِ گل
مری صلیب کہ اپنی صلیب تھا موسم!

ٹھہر گیا تھا بہاروں کا قافلہ شب بھر
کھلی جب آنکھ تو کس کا حبیب تھا موسم!

فراقِ و وصل تو دو نام تھے محبت کے
کسی سے دور کسی کے قریب تھا موسم

اُسے بہار ملی مجھ کو پیار بھی نہ ملا
میں بے نصیب، بڑا خوش نصیب تھا موسم

ہر ایک پھول سے کی گفتگو برنگِ دگر
کہ رنگ رنگ تھا شاعر، ادیب تھا موسم

ہوائیں بند ہیں موسم ٹھہر گیا ہے یہاں
وہ دن کہاں کہ صدا کا نقیب تھا موسم!

گئے دنوں کو بلاتا ہوں اور روتا ہوں
جمیلؔ میں تھا کہ وہ عندلیب تھا موسم!

○

○

ہاں اسی کی مِل رہی ہے یہ سزا
سچ کہا ہے اور کہا ہے برملا

○

○

نہ کوئی مہرباں اپنا نہ کوئی آشنا صورت
جمیلؔ اس دشتِ بے در سے نکلنے کی ہے کیا صورت!
کریں تو ہم کریں کس پر نچھاور جان و دل آخر!
نہ قاتل شہر میں تم سا نہ کوئی دلربا صورت
جدائی کے اندھیروں میں چمن دل کا رکھلے کیسے!
کبھی اترو کرن بن کر، کبھی آؤ صبا صورت
سمٹ آتی ہیں کتنی وسعتیں اپنی نگاہوں میں
میں جب بھی دیکھ لیتا ہوں تمھاری دل کشا صورت
مجھے دیکھو تمھیں اب آئینے کی کیا ضرورت ہے!
مرے چہرے پہ روشن ہے تمھاری آئینہ صورت
یہ ساری شوخیاں ساری ادائیں تم بھلا بیٹھو
اگر دیکھو کبھی وہ اجنبی سی آشنا صورت
کسی معصوم سے بچے کا چہرہ چوم لیتا ہوں
کہیں کوئی نظر آتی نہیں جب بے ریا صورت
ہمارے بعد کیا گزری کسی نے تم کو پوچھا بھی!
نظر کی پرسشوں پر کچھ نہ بولی بے وفا صورت
جمیلؔ اب اپنی صورت بھی تو پہچانی نہیں جاتی
دکھوں کے موسموں میں ہو گئی ہے کیا سے کیا صورت

○

○

حکمراں ہے کیسی خاموشی ہمارے شہر میں!
اب یہاں کوئی کہاں کس کو پکارے شہر میں!
ہم تو سچے تھے مگر یہ شہر تھا اپنا رقیب
گاؤں کی جیتی ہوئی بازی بھی ہارے شہر میں
اجنبیت کی یہ کیسی سلوٹیں چہروں پہ ہیں!
آشنا تم سا نہیں کوئی بھی سارے شہر میں
لوگ پھر بھی ان کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں کیوں
اڑ رہے ہیں ہر طرف خالی غبارے شہر میں
حبس، تنہائی، جدائی، ایک بے پایاں سکوت
سارے زنداں میں کٹے جو دن گزارے شہر میں
ہو چکے ہیں لوگ اپنی ذات سے بھی منحرف
اب خدا ہی کوئی پیغمبر اتارے شہر میں
آسماں بھی اب تو لگتا ہے ستاروں سے تہی
کیا اتر آئے ہیں سب تارے تمہارے شہر میں!
وقت کا طوفاں کناروں سے نکل جانے کو ہے
آ گئے ہیں پھیل کر سارے کنارے شہر میں
کاش مل جائے جمیلؔ اِس شہر کو اپنا شباب
اور استقبال ہو اپنے کنوارے شہر میں

○

○

اگر وہ میرے لٹنے کا تماشا دیکھنے آئے
تو خلقت ٹوٹ کر اس کا سراپا دیکھنے آئے
مرے دیوار و در آٹھوں پہر ہیں منتظر کس کے!
یہاں کوئی بھلا کیوں آئے اور کیا دیکھنے آئے!
چمن دیکھے ہوں جس نے دشت اور صحرا نہ دیکھے ہوں
مری آنکھوں میں اترے دشت و صحرا دیکھنے آئے
اسے معلوم تو ہو کس کے ہاتھوں کون اجڑا ہے!
مجھے چاہے نہ دیکھے گھر کا نقشہ دیکھنے آئے
دلوں کے درمیاں چاہے جدائی کا سمندر ہو
کنارے کو بھلا کیسے کنارا دیکھنے آئے!
شفق یادوں کی گھل جاتی ہے کیسے میری آنکھوں میں
کبھی آئے وہ یہ رنگیں دھندلکا دیکھنے آئے
وہ شبنم کی طرح اس کی رگ و پے میں اترتا ہے
جو اس کو شب کی خاموشی میں تنہا دیکھنے آئے
وہ سورج کی طلب میں دور افق کے پار جا پہنچے
جو ہمراہی اندھیرے میں اجالا دیکھنے آئے
جمیلؔ اب تک بہت کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہیں دیکھا
اسے دیکھا تو یہ سمجھے کہ دنیا دیکھنے آئے

○

○

کچھ ایسے آشکار ہوا ہے جمالِ دوست
گزرے ہوں جیسے مجھ پہ کبھی ماہ و سالِ دوست

دیکھے ہیں یوں تو خواب سبھی نے وصال کے
حاصل کسی کسی کو ہوا ہے وصالِ دوست

تصویرِ زندگی کی بنانے چلا تھا میں
دیکھا تو سامنے تھے وہی خدوخالِ دوست

دیکھو تو اس تضاد میں کتنا ملاپ ہے!
میرے زوال میں بھی چھپا ہے کمالِ دوست

طے ہو چکے تھے فاصلے لفظ و بیان کے
آیا وہ سامنے بھی تو پوچھا نہ حالِ دوست

دل میں تڑپ رہا تھا اُدھر بھی مرا جواب
اشکوں میں بہہ رہا تھا اِدھر بھی سوالِ دوست

کیا اس کا زخم سارے زمانوں کا زخم تھا
کیوں مجھ سے عمر بھر نہ ہوا اندمالِ دوست!

شاخِ بہار پر تو کبھی اوجِ دار پر
مجھ کو کہاں کہاں نہیں آیا خیالِ دوست!

پیکر جمال کے تو سبھی لاجواب تھے
کوئی مگر جمیلؔ نہیں تھا مثالِ دوست

○

○

کبھی نہ خشک ہوا میری آنکھ کا دریا
عجیب بات ہے پھر بھی ازل سے میں پیاسا

جو آتے جاتے ہوئے تم سے روز ملتا تھا
گلی کے موڑ پہ وہ شخص تو نہیں دیکھا!

عجیب طرح کی بستی، عجیب طرح کے لوگ
یہاں کسی نے مرا حال ہی نہیں پوچھا

ہے سانس بھی کوئی ٹوٹی ہوئی سی شہنائی
شکستِ دل نے کہیں کا ہمیں نہیں رکھا

انہیں بھی دیکھ جو اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے
اگر بہار کو دیکھا تو تم نے کیا دیکھا!

جمیلؔ اپنا مقدر ہے پیاس صحرا کی
سمندروں کے دلوں پر برس گئی برکھا

○

○

مرنے کی باتیں یاد رہیں جینے کا قرینہ بھول گئے
موجوں میں سفینہ ڈال دیا پھر اپنا سفینہ بھول گئے

کچھ شوق سمایا تھا ایسا اپنا دل آپ ہی چاک کیا
پھر کچھ ایسی افتاد پڑی زخموں کو سینا بھول گئے

تیرا رستہ تکتے تکتے اپنی تو عمریں بیت گئیں
جس موسم میں تو آیا تھا وہ سال مہینہ بھول گئے

گھر میں کیسی چنگاری تھی، کیوں کھلیانوں میں آگ لگی!
کھیتوں کے رکھوالے اپنا کیوں خون پسینہ بھول گئے!

شہروں میں بسنے والوں نے بہروپ بھرے ہیں اب کتنے!
پہچان بھی اپنی کھو بیٹھے سب لوگ خزینہ بھول گئے

لفظوں سے معنی روٹھ گئے فنکار اسیرِ ذات ہوئے
کیوں فکر کا رستہ چھوڑ دیا کیوں فن کا زینہ بھول گئے

◠

○

شہر ویرانہ بنے، گھر کوئی آباد نہ ہو
سہہ لئے سارے ستم، یہ ستم ایجاد نہ ہو
چھن گئی لذتِ پرواز تو پھر کیا حاصل
پر کٹانے سے تو بہتر ہے کہ آزاد نہ ہو
وقت کی گرد سے شاید وہی چہرہ جھانکے
پسِ آئینۂ دل وہ مرا ہمزاد نہ ہو!
مرے گلشن میں صبا بن کے مہکتا ہوا چل
مجھ کو برباد نہ کر، آپ بھی برباد نہ ہو
تتلیاں، قوسِ قزح، پھول، ستارے، جگنو
چار سو بکھری ہوئی یہ مری روداد نہ ہو!
ہو گیا میرے شبستاں میں اجالا کس سے!
تیرے پیکر کی طرح کوئی پری زاد نہ ہو!
دھڑکنیں تیری گنوں اور تجھے بتلا دوں
تجھ کو شاید مرا اندازِ سخن یاد نہ ہو
شعر میں بات بنانے سے نہیں بن سکتی
جب تلک جوہرِ اظہار خداداد نہ ہو
جو ہر اک دل کی گرہ کھولتی جاتی ہے جمیلؔ
وہ مرے دل سے ابھرتی ہوئی فریاد نہ ہو!

○

○

گم ہے صدیوں کے اندھیروں میں مہینوں کا لہو
جیسے گم نام زمینوں میں دفینوں کا لہو
نہ ملا نقشِ کفِ پا سے بھی قاتل کا سراغ
گھر میں ہی دفن ہوا گھر کے مکینوں کا لہو
پھر بھی ہے قابلِ تکریم سمندر کا جلال
پی گیا کتنے ہی معصوم سفینوں کا لہو
رنگ آہنگ سے کٹ جائے تو کیا بات بنے
سرخ چہرہ ہے مگر سرد حسینوں کا لہو
بجھتے جاتے ہیں مرے شہرِ ثقافت کے چراغ
بہہ رہا ہے سرِ بازار قرینوں کا لہو
مائیں بچوں کو فراموش نہیں کر سکتیں
خود ابلتا ہے زمینوں سے زمینوں کا لہو
وقت آئے گا ہماری بھی سنی جائے گی
یوں تو بے کار نہ جائے گا جبینوں کا لہو
چھوڑتا جاتا ہے انسان کے قدموں کے نشاں
عرش تک فرش سے جاتا ہوا زینوں کا لہو
یہی ہر دور میں انمول بھی ٹھہرا ہے جمیلؔ
اور ارزاں سرِ مقتل بھی یہ سینوں کا لہو

○

○

اب کے یوں موجِ صباحت گزری
شہر والوں پہ قیامت گزری

شہر کا شہر اُمڈ آیا تھا
پا بہ زنجیر صداقت گزری

بن گئے آپ شہادت اپنی
جب نہ کوئی بھی شہادت گزری

جس طرح شام کا سورج ڈوبے
اس طرح صبحِ مسرت گزری

ابھی جاگے تھے ابھی سو بھی گئے
عمر گزری ہے کہ ساعت گزری

ایک جھونکا سا ہوا کا آیا
پھر تری یاد کی نکہت گزری

دُھل گئی روح سے سب گردِ ملال
تو نہیں تیری ندامت گزری

مُو قلم لے کے مصور نکلے
جس طرف سے بھی محبت گزری

تو مجھے ماں کی طرح یاد آیا
دل سے جب درد کی شدت گزری

دیکھتے رہ گئے حیرت والے
کتنی جدت سے روایت گزری!

یاد آتا ہے کہ دیکھا تھا جمیلؔ
ہم نے اک شخص کو، مدت گزری

○

○

رات رات بھر جاگے گوری، کس کے دیکھے خواب
کون ایسا ہے جس نے کیئے ہیں سارے خواب گلاب!

○

○

سفر کیا ہم نے زندگی کا سنبھل سنبھل کر
گئے ہر اک پیچ و خم سے آگے نکل نکل کر

نہ جانے گلشن میں اب کے کیسی ہوا چلی ہے!
کہ جا رہے ہیں گلوں کو گل چیں مسل مسل کر

تھے ان کی ہر بات میں سخن کے ہزار پہلو
وہ یاد آتے رہے ہیں پہلو بدل بدل کر

سمندروں میں مچلتے خوابوں کے یہ سفینے
کہاں ہمیں لے کے جا رہے ہیں اچھل اچھل کر!

گئی بہاروں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے ہر سُو
چمن سے خوشبو برنگِ آہو نکل نکل کر

جمیلؔ کیوں خواب میں انھی کو پکارتا ہوں!
جو خواب سینے میں رہ گئے ہیں مچل مچل کر

○

○

وہ جس نے جہاں کو دیا کچھ نہیں
جیا تو ہے لیکن کیا کچھ نہیں

تڑپتی رہی روح میں تشنگی
کہ صدیوں سے جیسے پیا کچھ نہیں

یہ چاکِ گریباں، یہ آنکھیں، یہ لب
سبھی خندہ زن ہیں، سیا کچھ نہیں

وہی زندگی پر نچھاور ہوئے
جنہیں زندگی نے دیا کچھ نہیں

ترا خوانِ نعمت نہ ہم پر کُھلا
دیا ہم نے کیا کیا، لیا کچھ نہیں

اسی سے ہے روشن جمیلؔ اپنا گھر
وہ کہتے ہیں دل کا دیا کچھ نہیں

○

○

جتنے پڑتے ہیں پتھر اچھا لگتا ہے
یہ دل یہ شیشے کا گھر اچھا لگتا ہے
آنکھوں میں دل کی وسعت، دل کی گہرائی
آنکھوں کو آنکھوں کا سفر اچھا لگتا ہے
کتنے چہروں سے ملتا ہے چاند کا چہرہ
دیوانوں کو چاند نگر اچھا لگتا ہے
ہم سے برہم کیوں ہیں سارے بستی والے!
ہم کو بھی اک شخص اگر اچھا لگتا ہے!
ایک محبت سارے عیب چھپا لیتی ہے
سب کو یہ چھتنار شجر اچھا لگتا ہے
روز مرے گھر پر دستک دیتا ہے سورج
یہ جوگی، یہ مست گجر اچھا لگتا ہے
لذت خون پسینے کی ہوتی ہے ساری
محنت کش ہاتھوں کا ثمر اچھا لگتا ہے

بیچ بھنور جا کر بھی کبھی گہرائی ناپو
ساحل سے تو سب کو بھنور اچھا لگتا ہے
بات تو جب ہے آگ کو بھی گلزار بنائیں
یوں تو یارو رقصِ شرر اچھا لگتا ہے
کتنی روحوں کا کہرام بپا ہے اندر
باہر سے خاموش کھنڈر اچھا لگتا ہے
سیپ کے اندر کی بیتابی کس نے دیکھی!
سیپ سے باہر تو گوہر اچھا لگتا ہے
لیلائیں خود خواب جھروکوں میں رہتی ہیں
مجنوں، ان کو خاک بسر اچھا لگتا ہے
لوگ جمیلؔ نہ دیکھیں ہم تو دیکھ رہے ہیں
ہم کو تیرا زخمِ ہنر اچھا لگتا ہے

○

○

ہر موسم کا اپنا رنگ ہے، اپنا روپ نکھار
ایک ہی جیسے تو نہیں ہوتے سال کے سارے دن

○

○

جب تک تیری آواز ہواؤں میں رہے گی
دھڑکے گا یہ دل، گونج فضاؤں میں رہے گی

میں نے کہا آزاد ہوں اب رقص کروں گا
اس نے کہا زنجیر تو پاؤں میں رہے گی

چھم چھم کی صداؤں پہ کوئی قید نہ ہو گی
گوری تو اگر پیار کے گاؤں میں رہے گی

تجھ کو کبھی تنہائی کا احساس نہ ہو گا
میں پیڑ ہوں اور تو مری چھاؤں میں رہے گی

آنکھیں بھی چرا لے تو زیاں کوئی نہ ہو گا
تو میری نظر، میری وفاؤں میں رہے گی

گزریں گے ترے ساتھ سبھی پیار کے موسم
تو میری بہاروں میں خزاؤں میں رہے گی

الجھے گا گھٹاؤں سے کوئی پیار کا آنچل
کوئل کوئی رم جھم کی صداؤں میں رہے گی

فنکار کا دل فن میں دھڑکتا ہی رہے گا
تو لے کی طرح میری نواؤں میں رہے گی

ٹوٹے گا نہ دھرتی سے مرے پیار کا رشتہ
جب روح مری دور خلاؤں میں رہے گی

تو میری محبت ہے تو میری ابدیت
تو میری سحر، میری دعاؤں میں رہے گی

دنیا سے محبت کا نشاں مٹ نہ سکے گا
یہ دولتِ بیدار ہے، ماؤں میں رہے گی

○

○

تیری خوشبوئے نفس آتی نہیں
کیوں صبا سوئے قفس آتی نہیں!
قافلے کن وادیوں میں کھو گئے!
کوئی آوازِ جرس آتی نہیں
سامنے منزل نہ پیچھے نقشِ پا
یاد تیری پیش و پس آتی نہیں
اور تو کیا کچھ نہیں آتا اُنہیں
پیار ہی کی بات بس آتی نہیں
وہ بہاروں کے نہیں رمز آشنا
جن کو بوئے خاروخس آتی نہیں
کون سمجھے گا مزاجِ گلستاں!
کیوں ہوائے نکتہ رس آتی نہیں!
روک لو اس کو نہ جانے دو جمیلؔ
یہ قیامت ہر برس آتی نہیں

○

○

تیری خوشبو میں لپٹی ہوا دل کو تڑپا گئی
آ بھی جا، آ بھی جا، پھول کھلنے کی رُت آ گئی
ان کہی کا عجب ایک پردہ سا حائل رہا
پھر بھی چپ چاپ وہ مجھ کو ہر بات سمجھا گئی
یہ بھی شاید محبت کا ہی ایک انداز تھا
دوستی بے تکلف بھی تھی پھر بھی شرما گئی
اس نے پچھلے پہر آ کے ایسی کہانی کہی
اس کی بھیدوں بھری گود میں آج نیند آ گئی
ہم پکارا کیے روشنی روشنی، زندگی زندگی
روشنی کھو گئی، زندگی ہم سے کترا گئی
دیکھتے دیکھتے یوں بہار آج رخصت ہوئی
خشک پتوں کے نازک دلوں کو بھی تڑپا گئی
اس کے ہونے نہ ہونے کے سب مرحلے طے ہوئے
موت نے کھو دیا تھا جسے زندگی پا گئی

○

○

جانے کیوں ہے آج دل پر بوجھ سا
حادثہ کیا پھر کوئی یاد آ گیا!
ہم بھی اپنی ذات میں محصور ہیں
شہر کا بھی بند ہے ہر راستہ
لُٹ رہی ہیں دیویوں کی عصمتیں
اور ہیں خاموش سارے دیوتا
کوہِ غم کا پھر سفر ہے سامنے
پھر وہی ہم اور سنگِ بے حیا
جب رسائی بھی ہے پسپائی یہاں
کیا رسا ہے اور کیا ہے نارسا!
معجزوں کا یہ زمانہ تو نہیں
چاہتے ہیں پھر بھی کوئی معجزہ!
شہر بھر میں سب کو پاگل کر گئی
ہر طرف کیسی چلی پاگل ہوا
اس کو بھی دل کے دھماکے کھا گئے
کل یہاں اک آرزو کا شہر تھا
اڑ گیا نا تن کے پنجرے سے جمیلؔ!
سر پھِرا سا اک پرندہ باغ کا!

○

○

ختم ہو جائے اگر حسن و محبت کی تلاش
کس لئے کوئی کرے پھر تری جنت کی تلاش!
یوں سفر پر ہوں رواں شام و سحر کی صورت
عمر بھر کرتے رہیں شہرِ صداقت کی تلاش
اس سے بڑھ کر مرا اعزازِ رفاقت کیا ہو!
کہ مرے غم کو بھی ہے تیری مسرت کی تلاش
سامنے آ، مرے کشکولِ نظر کو بھر دے
دل کے حاتم کو بھی ہے آج سخاوت کی تلاش
آج کا دورِ بصارت ہے بصیرت سے تہی
اور آواز کو ہے گوشِ سماعت کی تلاش
ایک لمحہ ہی ملے نقشِ ابد ہو جائے
ہم کو صدیوں سے رہی ہے اُسی ساعت کی تلاش
زندگی! یوں تو ترے نام ہیں کتنے لیکن
تری شہرت کو بھی ہے کیا مری عظمت کی تلاش!
جو بھی جدت تھی روایت ہی بنی آخرکار
ہر روایت کو رہی ہے کسی جدت کی تلاش
ذات کا کوہِ انا کام نہ آئے گا جمیلؔ
وسعتِ دہر میں کر لے قدوقامت کی تلاش

○

○

فضا میں کیسے کیسے رنگ جاگے
دھنک اک روز دھرتی پر بھی اترے

بہت الجھے زمین و آسماں سے
مگر یہ سلسلے اب تک نہ سلجھے

یہ دھرتی کس کی خاطر رقص میں ہے!
یہ سورج بھاگتا ہے کس کے پیچھے!

ہزاروں ان کہی سی دل کی باتیں
مگر یہ دل کی باتیں کون سمجھے!

زباں کے رابطے تو کٹ چکے ہیں
کوئی کس سے کسی کا حال پوچھے!

صداقت کس قدر ارزاں ہوئی ہے!
کوئی جھوٹا نہیں سب لوگ سچے

کبھی ناموں کے پیچھے کام بھی تھے
مگر اب رہ گئے ناموں کے کتبے

رہے خاکے سبھی خالی کے خالی
بھرے ہیں رنگ کتنی خواہشوں کے!

ابھر آئی ہیں چہرے پر لکیریں
بدلتے جا رہے ہیں گھر کے نقشے

عجب وہ لمحۂ وارفتگی تھا
کہا اس نے کہ کوئی مجھ کو دیکھے

گلوں کی پتیاں بکھری پڑی ہیں
جمیلؔ اب کون یادوں کو سمیٹے!

○

○

ان ہونی کا حسن کہاں باقی، ہونے میں!
پانے میں کب ہے جو لذت ہے کھونے میں!

منزل یوں پاس آ کر ہم سے دور ہوئی ہے
جیسے ساری عمر گزر جائے سونے میں

روزِ ازل سے دونوں ہی مصروف بہت ہیں
ہم کانٹے چُننے میں وہ کانٹے بونے میں

جذبے دو، آواز مگر کتنی ملتی ہے!
کتنا تھوڑا فرق ہے ہنسنے اور رونے میں

کیا کرتے ہم دل کا گاہک ہی ایسا تھا
بیچ دیا یہ موتی بھی اونے پونے میں

کوئی ایسی بات کہ کلیاں کِھل کِھل جائیں
کیا رکھا ہے یارو اس رونے دھونے میں!

○

○

میں انہماک سے سنتا ہوں اور وہ کہتا ہے
تجھی سا کوئی مرے ساتھ رہتا ہے

میں کیا بتاؤں مری روح کس عذاب میں ہے
ہزار دکھ ہیں جو میرا وجود سہتا ہے

میں وہ جہاز میں بیٹھا ہوا مسافر ہوں
جو کائنات کے اندر خلا میں رہتا ہے

گلہ نہیں ہے اگر موردِ عتاب ہیں ہم
جدھر نشیب ہو پانی اُدھر ہی بہتا ہے

وہ بولتا ہے تو سب قفل ٹوٹ جاتے ہیں
تمام عمر جو چپ چاپ ظلم سہتا ہے

جمیلؔ دکھ کا سمندر ہے اس کی آنکھوں میں
وہ اپنی بات بھی میری زباں میں کہتا ہے

○

○

محبتوں کو سمجھ اور نفرتوں پہ نہ جا
سحر کا نور ہے تو شب کی ظلمتوں پہ نہ جا

وہ کب کسی کا ہوا ہے جو اب ترا ہو گا
عنائتیں ہیں تو اس کی عنائتوں پہ نہ جا

بدل گئے ہیں وہ سچے اصول گلشن کے
صبا کہے بھی تو اس کی صباحتوں پہ نہ جا

چمکنے والی ہر اک چیز آئینہ تو نہیں
بہت حسیں ہیں مگر چاند صورتوں پہ نہ جا

ہر ایک دور کی اپنی نئی صداقت ہے
جو ساتھ چل نہ سکیں ان روایتوں پہ نہ جا

کوئی چراغ کہ جس سے نیا سراغ ملے
سنی سنائی جنوں کی مسافتوں پہ نہ جا

دھنک کے رنگ زمیں پر کہاں اترتے ہیں
جو تیری اپنی نہیں ان مسرتوں پہ نہ جا

اٹھا سنبھل کے قدم زندگی کی راہوں میں
تو خود نگر ہے تو اس کی اشارتوں پہ نہ جا

تڑپ اٹھا ہے تو آخر بہل بھی جائے گا
یہ دل تو دل ہے تو اس کی شکایتوں پہ نہ جا

ہوا کا کیا ہے ہوا رخ بدلتی رہتی ہے
مجھے پکار ہوا کی رفاقتوں پہ نہ جا

ہے تیرے پاس کوئی معجزہ تو دکھلا دے
جمیلؔ اور کسی کی کرامتوں پہ نہ جا

○

○

انہیں بھی زعم ہے منزل پہ جا پہنچنے کا
جو عمر بھر کبھی گھر سے چلے نہیں ہوتے

○

○

تو نے کی بات تو ہر بات سنور جائے گی
زندگی میری ترے ساتھ سنور جائے گی
تیری صورت سے کدورت نہ رہے گی باقی
جو بھی ہے صورتِ حالات سنور جائے گی
جتنے تارے ہیں وہ بن جائیں گے سارے جگنو
تیرے آنے سے یہ برسات سنور جائے گی
جس ملاقات میں شامل ترا دل بھی ہو گا
مختصر سی وہ ملاقات سنور جائے گی
یوں گزر جائے گا ہر مرحلۂ سودوزیاں
جیت تو جیت ہے ہر مات سنور جائے گی
منتظر ہیں یہ ستارے کسی مہماں کے لئے
چاند نکلے گا تو بارات سنور جائے گی
جب سحر بن کے وہ اتریں گے شبستاں میں جمیلؔ
میری ہر رات، اسی رات سنور جائے گی

○

○

تم بھولا بسرا نغمہ تھے جب جوت جلی تم یاد آئے
جب کھلتے کھلتے پھول بنی، منہ بند کلی، تم یاد آئے
اس وقت کی کوئی قدر نہ کی جب پاس تمہارے رہتے تھے
ہم چھوڑ چکے جب تم جیسے پیاروں کی گلی، تم یاد آئے
ہر موڑ پہ ہم کو روکا بھی یوں کتنے چاہنے والوں نے
یہ اپنی محبت ایسی تھی جس سمت چلی تم یاد آئے
جب شام نے اپنے چہرے پر تاروں کا گھونگھٹ اوڑھ لیا
جب سورج ڈوبا، غم کی کالی دھوپ ڈھلی، تم یاد آئے
جب باغوں اور بہاروں میں خوابوں کے پرندے لوٹ آئے
جب ارمانوں کی کھیتی پھولی اور پھلی، تم یاد آئے
وہ محفل جو برباد ہوئی، کیوں پھر نہ کبھی آباد ہوئی!
جب شوق پتنگوں نے چہروں پر راکھ ملی، تم یاد آئے
تم میری غزل ہو اور میں نے تہذیب تمہی سے سیکھی ہے
جب اپنے منہ سے نکلی کوئی بات بھلی، تم یاد آئے

○

○

ہلالِ عید کی صورت ابھارتا ہے کوئی
فرازِ شام سے مجھ کو پکارتا ہے کوئی
کچھ ایسے یاد کا چندن بکھرتا جاتا ہے
کہ جیسے رات کی زلفیں سنوارتا ہے کوئی
فضا میں نور کی اک سلسبیل بہتی ہے
مرے وجود میں کرنیں اتارتا ہے کوئی
اسی سے حسنِ دو عالم کا قافلہ ہے رواں
کہ اپنے ساتھ مجھے بھی نکھارتا ہے کوئی
برنگِ قطرۂ شبنم بوقتِ صبح مجھے
ہر ایک پھول کے دل میں اتارتا ہے کوئی
یہ دل ہے یا کوئی ہارا ہوا جواری ہے!
کہ جیت کر اسے ہر بار ہارتا ہے کوئی!
مرے جمال کا سورج غروب ہو تو جمیلؔ
حسین چاند میں مجھ کو ابھارتا ہے کوئی

○

○

اٹھا کر کوئی لے جاتا ہے کوئی فصل بوتا ہے
خدا سب دیکھتا ہے پر یہی صدیوں سے ہوتا ہے
نکیلا طوق بن جاتا ہے اس کی اپنی گردن کا
وہی جو دوسروں کے ہار میں کانٹے پروتا ہے
دھلے ہیں خون کے دھبے کبھی قاتل کے ہاتھوں سے!
وہ کیوں ہاتھوں کوملتاہے وہ کیوں ہاتھوں کودھوتاہے!
جلی مٹی کو جس نے جسم کی خوشبو سے مہکایا
منوں مٹی کے نیچے اب وہ گہری نیند سوتا ہے
جو زیرِ فرشِ ہستی ہے کسی آدرش کی خاطر
اسی کی کوکھ سے تازہ جہاں تخلیق ہوتا ہے
اسی کے نام سے ہر کام ہم آغاز کرتے ہیں
جہاں کا درد بھی جو اپنی دھڑکن میں سموتا ہے
وہ جس کے جسم کی مشعل جلی ہے پھلجھڑی بن کر
جمیلؔ اس کی جواں مرگی پہ سارا شہر روتا ہے

○

○

تمام شہر میں چرچا مرے سخن کا تھا
کہ میرا رنگِ سخن تیرے پیرہن کا تھا

مرا بہار سے رشتہ ہی گل بدن کا تھا
کہ یہ حجاب تو سارا کسی دلہن کا تھا

قدم قدم پہ دھنک رنگ جھلملاتے تھے
بڑا عجیب چلن تیرے بانکپن کا تھا

جو اڑ کے آیا مرے دل کی شاخ پر بیٹھا
وہ اجنبی سا پرندہ مرے چمن کا تھا

بس ایک سازِ محبت پہ دل دھڑکتے تھے
اگر تھا فرق تو پیرایۂ سخن کا تھا

نقب لگائی تھی دیوارِ تیرگی میں اگر
تو مجھ سے بڑھ کے کہیں حوصلہ کرن کا تھا

ہر ایک بات کی تہہ میں ہزار باتیں تھیں
جمیلؔ ہم سے تقاضا یہی تو فن کا تھا

○

○

وہ منزلوں سے محبت زیادہ کرتے ہیں
جو زندگی کا سفر پا پیادہ کرتے ہیں
ہمارا عشق ہمیں راستہ دکھاتا ہے
تمہارے حسن سے جب استفادہ کرتے ہیں
ہر ایک بات پہ بڑھتی ہے پیاس بھی اُتنی
تمہارے نام کا جتنا اعادہ کرتے ہیں
وہ ایک دن کہ جب اترے تھے آسمان سے ہم
اس ایک دن سے بہت استفادہ کرتے ہیں
ترا گریز وہیں راہ روک لیتا ہے
کبھی جو ہم ترے گھر کا ارادہ کرتے ہیں
بڑا ہے ناز ہمیں فکر کی بلندی پر
ترے حضور مگر بات سادہ کرتے ہیں
سمٹ کے آتی ہے منزل جمیلؔ قدموں میں
کہ ذکرِ بادہ نہیں فکرِ جادہ کرتے ہیں

○

○

کچھ نہ تھا راہزنوں سے تو سروکار ہمیں
رہنماؤں نے بھی لُوٹا سرِ بازار ہمیں

یوں تو شب خوں نے ستاروں کی بجھا دیں شمعیں
لیکن آئے تو نظر صبح کے آثار ہمیں

جانے آگے کا سفر ہے کہ یہ پیچھے کا سفر
لے گئے دور بہت قافلہ سالار ہمیں

ایک محور پہ گھماتے رہے صدیوں ہم کو
وہ سمجھتے رہے اک نقطۂ پرکار ہمیں

جو کھری بات سرِ دار کہی جاتی ہے
بات کہنی ہی پڑی وہ سرِ دربار ہمیں

غم کی یلغار سے جب جسم کی دیوار گرے
تھام لیتی ہے وہیں روح کی دیوار ہمیں

آج تک مل نہ سکا تیری محبت کا جواب
سو گئی آپ مگر کر گئی بیدار ہمیں

آگ پہلے ہی بہت پھیل رہی تھی ہر سو
اور جھلسا گئے جلتے ہوئے افکار ہمیں

اپنا سرمایۂ فن کیا ہے بجز حرفِ جمیل
پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے نہیں فنکار ہمیں

○

○

یہ دو آنکھیں یہ پیمانے ہمارے
یہی ہیں آئینہ خانے ہمارے
تمہارا دل بھی ہو جائے گا چھلنی
اگر توڑو گے پیمانے ہمارے
تبھی تو خودکشی کرتے نہیں ہم
کہ مر جائیں گے دیوانے ہمارے
نہ پھینکا زندگی کا بوجھ پھر بھی
اگرچہ تھک گئے شانے ہمارے
ہزاروں بار مر کر بھی ہیں زندہ
ذرا دیکھو تو پروانے ہمارے!
ہماری بات چلتی ہی رہے گی
بہت لکھو گے افسانے ہمارے
طرب خانوں کی جانب کون دیکھے!
بہت روشن ہیں غم خانے ہمارے
یہ پلکوں پر ستارے ہیں کہ جگنو!
یہ ارماں ہیں کہ پروانے ہمارے!
جمیلؔ اک رات رانی آ رہی ہے
مہک اٹھیں گے ویرانے ہمارے

○

○

یوں تو جس حال میں ہوں اپنی گزر ہوتی ہے
عمر وہ ہے جو ترے ساتھ بسر ہوتی ہے

دل میں آ جا کہ یہی منزلِ جاں ہے تیری
یوں تو ہر راہ تری راہ گزر ہوتی ہے

روٹھ جائے تو پرندے بھی اڑانیں بھولیں
آرزو بھی کوئی ٹوٹا ہوا پر ہوتی ہے

حال میرا تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں
میں تو حیراں ہوں تجھے کیسے خبر ہوتی ہے

دل میں گرداب سے پڑ جاتے ہیں جب تو دیکھے
جو بھی اٹھتی ہے نظر ایک بھنور ہوتی ہے

تو جو چھپ جائے تو سورج بھی نہ نکلے کوئی
تو نظر آئے تو اپنی بھی سحر ہوتی ہے

ان کا نشّہ بھی بہت جلد اتر جاتا ہے
عاشقی جن کے لئے خواب اثر ہوتی ہے

یہ نہ سمجھو کہ خوشی سارے زمانے میں نہیں
دیکھنا چاہیں تو ہر ایک کے گھر ہوتی ہے

ہنس کے یہ بوجھ اٹھاتے ہیں گراتے تو نہیں
زندگی سب کے لئے بارِ سفر ہوتی ہے

پاس رکھ لو مگر امید نہ توڑو اپنی
وقت آئے تو یہ کونپل ہی شجر ہوتی ہے

کشف ہوتا ہے مگر کتنی ریاضت سے جمیلؔ!
کتنی صدیوں میں کہیں بوند گہر ہوتی ہے!

○

○

جمیلؔ بھاگتے پھرتے ہو کیوں تعاقب میں!
زمانہ کب تھا تمہارا کہ اب تمہارا ہے!

○

○

کیا ہماری بندگی ہے کیا ہماری زندگی
کچھ نہیں حاصل یہاں ہم کو بجُز شرمندگی
ایک سے چہرے ہیں سب پہچان ہی جاتی رہی
رہبری بھی گمرہی ہے، گمرہی بھی رہبری
ذات کے اس جبر سے آ کر رہائی کون دے!
اپنے ہی زنداں میں کب سے قید ہے خود آدمی
مرہمِ جاں میری اپنی مسکراہٹ بھی نہ تھی
زخم کتنے دے چکی ہے میری اپنی سادگی
تیرے چُھپ جانے سے دنیا پر اندھیرا چھا گیا
چاند سورج سے بھی جیسے چِھن چکی ہے روشنی
ایک ہی دریا کی لہریں پھر بھی کتنی دور دور!
یہ شناسائی مری اور وہ تری بیگانگی
کوئی اس منجدھار میں ڈوبے کہ اُترے دل کے پار
بے رخی سی بے رخی ہے دل لگی سی دل لگی

اپنی اپنی منزلوں سے بے خبر، نا آشنا
عمر بھر کے ہم سفر تھے پھر بھی دونوں اجنبی

لفظ تو کچھ اور تھے لفظوں کے معنی اور تھے
دوستی بھی دشمنی تھی، دشمنی بھی دوستی

کیوں بھٹکتا پھر رہا ہے رات کے صحرا میں تو
چھوڑ آیا ہے کہاں اے چاند اپنی چاندنی!

پھول تو سارے کتابوں میں پڑے مرجھا گئے
آج تک باقی ہے لیکن چاہتوں کی تازگی

چار جانب لوگ تھے کوئی بچا سکتا نہ تھا
لا کے چوراہے پہ مارا تو نے ہم کو زندگی

اتنی گہری نیند ہے کھُلتی نہیں آنکھیں جمیلؔ
روزوشب کروٹ پہ کروٹ لے رہی ہے آگہی

○

○

دلوں کا حال تو وہ جانے یا خدا جانے
ہر ایک شخص یہ کہتا ہے میں ہی اُجلا ہوں

○

○

چہرے تو آئینے ہیں دلوں میں کدورتیں
وہ تو نہیں ہیں جو نظر آتی ہیں صورتیں!
پوری نہ جب ہوئیں تو بنی سب کدورتیں
تیری ضرورتیں ہوں کہ میری ضرورتیں
سارے گھروں میں ایک دیا بھی جلا نہیں
جب سے ہوئی ہیں راج محل کی مہورتیں
اس کا خلوص اس کا بدن نوچ نوچ کر
انساں کو کھا گئی ہیں خود اس کی ضرورتیں
پہچان اپنی بھول گئیں اِس کا کیا علاج!
کیا کیا خدا نے یوں تو بنائی ہیں صورتیں!
اِس تن کے ساتھ جاں بھی اُدھڑ جائے گی مگر
پھر بھی نہ ختم ہوں گی یہ اپنی ضرورتیں
مرمر کی صورتوں میں کہاں دل کی روشنی!
اچھی رہیں جمیلؔ یہ مٹی کی مورتیں

○

○

تری باتوں کی خوشبو سے مرا سینہ مہکتا ہے
یہ کیسا درد ہے جو چاند کی صورت چمکتا ہے!
فراق و وصل کے ہر موڑ پر یوں دل دھڑکتا ہے
کہ جیسے دو کناروں میں کوئی دریا چھلکتا ہے
کوئی پاگل پرندہ ہے مرا کھویا ہوا دل بھی
کہ تیری جستجو میں چاند کی جانب لپکتا ہے
تری یادوں کی حدت یوں مجھے شب بھر جلاتی ہے
کہ جیسے رات کے دل میں الاؤ سا دہکتا ہے
تمہارا راستہ تک تک کے راتیں بھیگ جاتی ہیں
تو اکثر چاند کے چہرے پہ بھی آنسو ڈھلکتا ہے
لہو روتی ہے قطرہ قطرہ تیری یاد کی شبنم
یہ دل اک چاندنی کا کھیت ہے شب بھر سلگتا ہے
کہیں سے لگ گئی شاید شکم کی بددعا ہم کو
جمیلؔ اپنی خوشی سے کون گھر کو چھوڑ سکتا ہے!

○

○

جاگتے جاگتے سحر کر دی
زندگی ہم نے یوں بسر کر دی
روشنی کی لکیر پھیل گئی
جس طرف اس نے اک نظر کر دی
میں نے تو دل سے گفتگو کی تھی
جانے کس نے اسے خبر کر دی!
آرزو کو بسا لیا دل میں
اور پھر آرزو گھر کر دی
یہ بھی اظہارِ مدّعا ہو گا
اپنی تعریف بھی اگر کر دی
روبرو اِذنِ گفتگو تو نہ تھا
دل میں جو بات تھی مگر کر دی
دل کی دھڑکن میں ہو گئی تحلیل
وہ نشانی جو اس نے مر کر دی

وہ اکیلا سفر پہ کیا جاتا
جان بھی نذرِ ہم سفر کر دی
بددعا کس کی لگ گئی سب کو
ہر دعا کس نے بے اثر کر دی!
گھر میں کتنے سکوں سے بیٹھا ہے
زندگی جس نے دربدر کر دی!
گفتگو کا بھرم گنوا بیٹھے
بات ہی ہم نے مختصر کر دی
روح کی روشنی نہ ماند ہوئی
آنکھ تو اس نے بے بصر کر دی
اس کی مٹھی میں کیا ہنر ہے جمیلؔ
جس نے ہر بات بے ہنر کر دی

○

○

آنسو ہیں یا انگارے ہیں!
پی جاتے ہیں، جل جاتے ہیں

○

○

اپنے چہروں سے سبھی خول اتارے جائیں
ایک ہی نام سے سب لوگ پکارے جائیں

تیز دریا کے بہاؤ میں توازن کے لئے
اپنے ٹھہراؤ سے باہر نہ کنارے جائیں

اپنی پہچان تو منزل پہ پہنچ کر بھی نہ ہو
عمر بھر ساتھ اگر ساتھ سہارے جائیں

ماند پڑ جائیں ستاروں کی دمکتی شمعیں
میری دھرتی کے اگر زخم ابھارے جائیں

رنگ کے ساتھ ہی کٹ جائے یہ خوشبو کا سفر
تو چلے ساتھ تو ہمراہ نظارے جائیں

وہ سرِ شام لبِ بام نہ آئے تو جمیلؔ
ہم بھی سورج کی طرح جان سے مارے جائیں

○

○

کس کی خوشبو سے مہک اٹھے ہیں ویرانے میں پھول!
رکھ گیا ہے کون آ کر میرے غم خانے میں پھول!

ایسے پروانے کے پر جل کر شرارے بن گئے
دفعتاً" لو دے اٹھے ہوں جیسے پروانے میں پھول

مختلف قسمت ہے اپنی ایک سی شاخِ کتاب
ایک افسانے میں کانٹے ایک افسانے میں پھول

ایک سب تلخی ہی تلخی ایک خوشبوئے تمام
ایک پیمانے میں مے ہے ایک پیمانے میں پھول

پھیلتی جاتی ہے یوں صحرا میں خوشبوئے فراق
رفتہ رفتہ کھل رہے ہوں جیسے دیوانے میں پھول

دے رہا ہوں روشنی کا میں بھی خوشبو سے جواب
لے کے آیا ہوں تمھارے آئینہ خانے میں پھول

○

○

کوئی بھی جانِ محفل نہ تھا سامنے
بات یہ تھی مرا دل نہ تھا سامنے

دل میں کیا کیا خیال آتے جاتے رہے
تو ہی تھا ماہِ کامل نہ تھا سامنے

ایک دل تھا کہ پیہم دھڑکتا رہا
یوں تو کوئی بھی بسمل نہ تھا سامنے

تو اسے دیکھ کر کیوں ٹھٹھک سا گیا
تیرا سایہ تھا، سائل نہ تھا سامنے

پاس اعجازِ دستِ مسیحا نہ تھا
جب تلک دستِ قاتل نہ تھا سامنے

ہاتھ کی سب لکیریں مرے پاس تھیں
اپنی محنت کا حاصل نہ تھا سامنے

راستے آپ ہی رہنما بن گئے
ہم تو تھے، عکسِ منزل نہ تھا سامنے

اپنے ہونے سے سب کاوشِ فکر و فن
کب یہاں کارِ مشکل نہ تھا سامنے

○

○

دیکھ لے، کی ہے وفا ہی ہم نے
زندگی! تجھ سے نباہی ہم نے
اک ترے پیار کی دولت کے سوا
کوئی دولت بھی نہ چاہی ہم نے
اس پہ بھی حال ہوا ہے کیا کیا!
ابھی دیکھی تھی ادا ہی ہم نے
تو نے چھپ کر ہمیں کیا کیا نہ کہا!
دی مگر تجھ کو دعا ہی ہم نے
ایسے مجرم تو نہیں تھے ہم لوگ
جیسی دیکھی ہے تباہی ہم نے
جب کوئی اور شہادت نہ ملی
ڈھونڈ لی دل کی گواہی ہم نے
تھا عجب اپنی کمائی کا نشہ
چھوڑ دی مفت کی شاہی ہم نے
خود ہی جو راہنما بھی ہیں جمیلؔ
ساتھ رکھے ہیں وہ راہی ہم نے

○

○

یوں تو دانائے صد افلاک ہوا
آدمی خاک تھا اور خاک ہوا

تجھ سے اے جان شکایت کیسی!
ایک قصہ تھا سو وہ پاک ہوا

دوستوں نے بھی صلہ مانگ لیا
آج یہ قرض بھی بیباک ہوا

جانے چہرے پہ لکھا تھا کیا کیا!
جس نے دیکھا وہی نمناک ہوا

پھر بھی دھومیں تو مچائے گی بہار
میرا سینہ بھی اگر چاک ہوا

میں نے ہی خون دیا گلشن کو
اور میں ہی خس و خاشاک ہوا

ہم تو ہر بات بناتے ہی رہے
اور ہر بات میں وہ تاک ہوا

حسن کا ایک اشارہ پا کر
عشق کچھ اور بھی بیباک ہوا

کچھ تو ہم لوگ بھی سادہ تھے جمیلؔ
اور کچھ وقت بھی چالاک ہوا

○

○

نوحے چلتی تلواریں ہیں کب تک جان گنواؤ گے!
اس کو قاتل کہتے کہتے خود قاتل بن جاؤ گے
اس کی چپ میں بھید چھپے ہیں کیسی کیسی یادوں کے!
اس کی باتیں کرتے کرتے تم بھی چپ ہو جاؤ گے
چلتے چلتے فرزانوں کی بستی میں آ پہنچا ہوں
دل تو دیوانہ ہے لوگو دل کو کیا سمجھاؤ گے!
یوں تو بہت اچھے لگتے ہیں چاہت کے پچھتاوے بھی
پھول سے خوشبو گئی تو کیسے اس کو ڈھونڈ کے لاؤ گے!
عمر کی راہ میں جو کھویا ہے وہ کب واپس آئے گا!
یوں تو مستقبل کے ہاتھوں تم کیا کیا کچھ پاؤ گے!
شب بھر رستہ تکتے تکتے سارے خواب عذاب ہوئے
جب محفل سے اٹھ جائیں گے تب محفل میں آؤ گے!
سب کا غم اپنانے کا انجام یہی کچھ ہوتا ہے
سب کا دل آباد کرو گے خود تنہا رہ جاؤ گے
رُت بدلی ہے پھول کھلے ہیں، نرم ہوا لوٹ آئی ہے
تم کیوں رستہ بھول گئے ہو تم کب لوٹ کے آؤ گے!
کس کس کی توقیر کرو گے جینے کی تدبیر کرو
دل کا دشمن بن جائے گا جس کے ناز اٹھاؤ گے

○

○

شہر سب سُولی پہ ہے کس کس کا ماتم کیجئے!
کیوں نہ اس آشوب مین زخموں کو مرہم کیجئے!
شانِ استغنا بھی تو ہوتی ہے ہر غم کا علاج!
غم ہی غم ہیں جب زمانے میں تو کیا غم کیجئے!
جب قبولیت کا جذبہ ہی نہ دھڑکے دل کے ساتھ
دردِ دل! پھر کیا تلاشِ ابنِ مریم کیجئے!
تیز بھاگیں گے تو گر جائیں گے آخر منہ کے بل
راہ ہے پر پیچ و خم، رفتار کچھ کم کیجئے!
خندہ زن بھی موسمِ گل، گریۂ شبنم بھی ہے
روئیں ان کے ساتھ یا چھم چھم چھما چھم کیجئے
وہ محبت کا خدا ہے۔ سرفرازی کے لئے
اس کے قدموں میں بھی جا کر اپنا سر خم کیجئے
اور بھی ہیں کتنے عالم ان کا بھی سوچیں جمیل
کب تلک کہتے رہیں، فکرِ دوعالم کیجئے!

○

○

تا ابد چلتے رہو، شوق مگر ختم نہ ہو
دوستو! دشتِ تمنا کا سفر ختم نہ ہو
کتنی گہری ہے یہ آلودگیٔ فکر و نظر
دل ہے موتی کی طرح، آبِ گہر ختم نہ ہو
اسی دنیا میں ہو جنت کی کرشمہ سازی
چاہتیں زندہ رہیں، حسنِ بشر ختم نہ ہو
چار سو پھول کھلیں عشق و صداقت والے
سال ہا سال جئیں، خیر اگر ختم نہ ہو
سینہ در سینہ چلے اپنا ہنر اپنا کمال
نسل در نسل ریاضت کا ثمر ختم نہ ہو
سائے سائے میں مسافر رہیں سرِ گرمِ سفر
آرزو پھولے پھلے، شہرِ شجر ختم نہ ہو
شوروشر، حرص و ہوس، اپنا تعاقب نہ کرے
عمر بھر ماں کی دعاؤں کا اثر ختم نہ ہو

○

فہرست

مصنف: جمیل ملک

ولادت: ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء راولپنڈی

تعلیم: ایم۔ اے اردو' ایم۔ اے فارسی' بی ایڈ'
ڈپلوما صحافت (پروفیسر ریٹائرڈ)

تصانیف:

۱. سرو چراغاں (غزل) ۱۹۵۸ء
۲. طلوعِ فردا (نظم) ۱۹۶۲ء
۳. ندیم کی شاعری فکر' فن' شخصیت (تنقید) ۱۹۷۲ء
۴. پردۂ سخن (غزل) ۱۹۷۵ء
۵. پسِ آئینہ (نظم) ۱۹۸۴ء
۶. شاخِ سبز (غزل) ۱۹۸۶ء
۷. سجری چھاں (پنجابی شاعری) نظماں' غزلاں' گیت ۱۹۸۷ء
۸. خورشیدِ جاں (نظم) ۱۹۹۶ء
۹. صدف ریزے (ہائیکو) ۱۹۹۶ء
۱۰. ادبی منظر نامے (تنقیدی مضامین) ۱۹۹۶ء
۱۱. اوصاف (حمد و نعت) ۱۹۹۷ء
۱۲. جھروکے (گیت) ۱۹۹۷ء
۱۳. آساں پیاساں (پنجابی غزلاں) ۱۹۹۸ء
۱۴. شائستۂ بہار (غزل) ۱۹۹۸ء
۱۵. وصالِ رنگ رنگ (مختصر نظمیں) ۱۹۹۹ء
۱۶. پھول' رنگ' خوشبو (ہائیکو نظمیں) ۱۹۹۹ء

زیرِ ترتیب و اشاعت:

(۱۷) عہدِ اقبال (تنقیدی مضامین) (۱۸) غزلیں (۱۹) ہائیکو (۲۰) نظمیں (۲۱) تنقیدی مضامین (۲۲) پنجابی شاعری

تذکرے اور کوائف
۱۹۷۰ء کی دہائی میں اشاعت پذیر ہونے والی انسائیکلو پیڈیاز میں
(۱) "انٹرنیشنل ہو از ہو آف پوئٹری" (۲) "من آف اچیومنٹس" (۳) "انٹرنیشنل ہوز ہو آف انٹیلکچولز، انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر (انگلینڈ)"

اعزازات:

۱. بہترین استاد کا ایوارڈ (ڈائریکٹوریٹ کینٹ اینڈ گیریژن تعلیمی ادارے پاکستان) ۱۹۸۱

۲. آدم جی ادبی ایوارڈ (پاکستان رائٹرز گلڈ "پسِ آئینہ" شعری مجموعہ) ۱۹۸۴ء

۳. نقوش ایوارڈ، بہترین شاعری ۱۹۸۷ء

۴. وثیقہء اعتراف: مادر علمی گارڈن کالج راولپنڈی کی طرف سے (پچاس سالہ علمی اور ادبی خدمات) ۱۹۹۵ء

۵. رائٹرز کلب ایوارڈ (پچاس سالہ حسنِ کارکردگی) (ادب و شاعری) ۱۹۹۶ء

۶. پی ایف آئی رمارگلہ وائسز اسلام آباد کیطرف سے ایوارڈ (زندگی بھر کی علمی و ادبی خدمات ۱۹۹۷ء)

۷. مسعود کھدر پوش ٹرسٹ ایوارڈ ۱۹۹۸ء (آساں پیاساں)

مصنف پر تحقیقی کام

۱. جمیل ملک نظم و غزل کے آئینے میں، نرگس زمان، ایم اے اردو کا مقالہ، نمل، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد (زیرِ طبع) ۱۹۹۸ء

۲. جمیل ملک کا فن اور شخصیت، ڈاکٹر اعجاز راہی (پاکستانی ادب کے معمار، اکادمی ادبیات) (زیرِ طبع) ۱۹۹۹ء
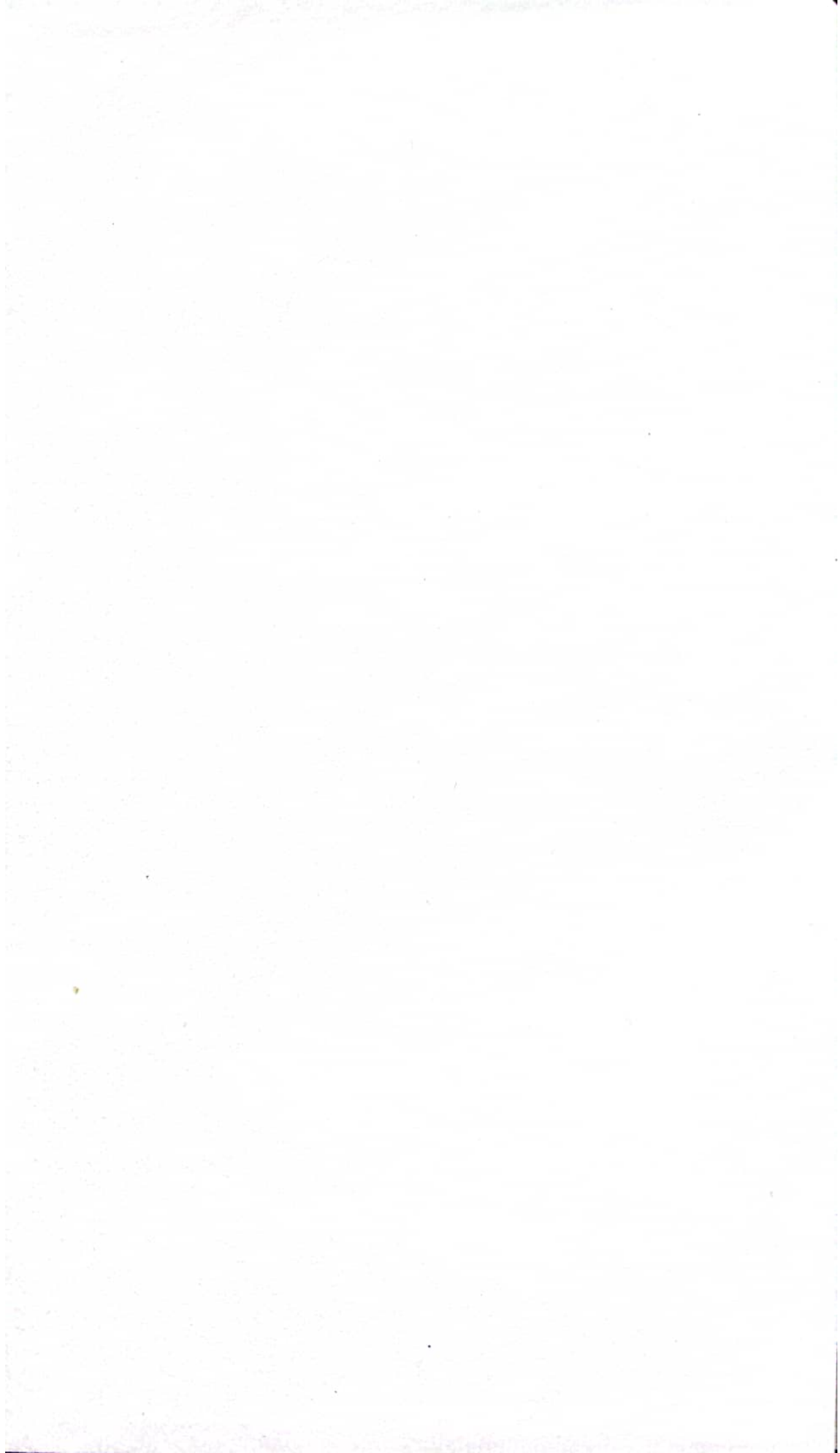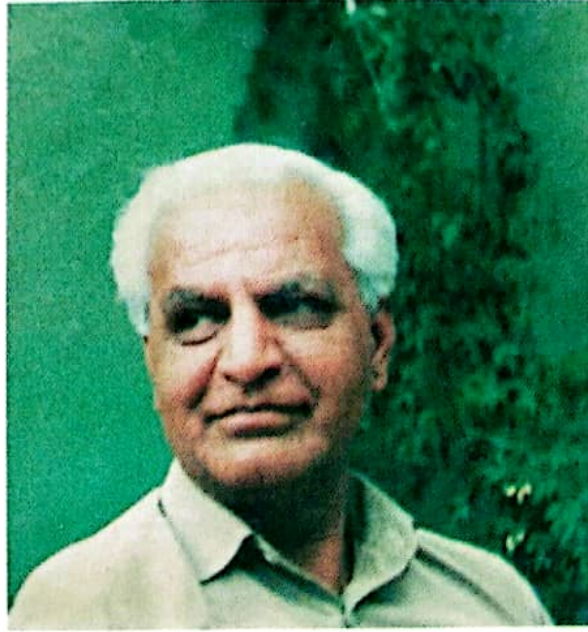
جمیل ملک کے ہاں لفظوں کی ترتیب، چناؤ اور کمپوزیشن میں جو رچاؤ اور سبھاؤ ہے وہ بہت کم غزل گو شاعروں کے ہاں نظر آتا ہے۔ جمیل ملک لفظ کو چیز کی بجائے قدر کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی لئے جب وہ لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو وہ صوری اور بصری ہر لحاظ سے جڑا ہوا لگتا ہے، بولتا ہوا اور معنی کے جہت در جہت در کھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ان کا اندازِ بیاں جو ان کے اسلوب کی پرورش کرتا ہے، لفظ کے استعمال میں ان کے قرینے، سلیقے اور ہنرکاری پر دال ہے۔ ان کا اندازِ بیاں جو لفظوں کی موسیقی سے جنم لیتا ہے، رواں دواں، شگفتہ اور شائستہ ہے۔ ان کے موضوع کا تنوّع، لفظوں کے متنوّع استعمال سے ادق سے ادق موضوع کو نازک، لطیف، شستہ، دل آویز اور روح پرور پیرایہ دے کر، عصر میں ممیّز اور ممتاز مقام کا حامل بناتا ہے۔ شاید اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لفظ کو بے جان چیز نہیں سمجھتے بلکہ ماہرِ مُبّت کار کی طرح اپنے فکری پینوراما کی وضاحت کے لئے، مصرعے میں اس طرح جڑاؤ کرتے ہیں کہ لفظ بولنے لگتا ہے۔ انہیں لفظیات کی کمپوزیشن پر کمال قدرت حاصل ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ وہ مختلف ادوار میں سفر تو کرتے ہیں لیکن عہد ان پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ وہ عصر پر اثر انگیزی کرتے ہیں۔ اس لئے میں انہیں ایک جہت ساز اور ہمہ وقت جاگتا ہوا شاعر کہتا ہوں۔

جمیل ملک غزل کے توانا فکر، ہنرمند اور صاحبِ اسلوب شاعر ہیں جنہیں تاحال وہ مقام نہیں مل سکا، جو ان کا حق ہے تاہم اس سب کے باوصف وہ اپنی نسل کے قد آور اور بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز راہی

(جمیل ملک کی غزل گوئی ۱۹۹۹ء)